هٰذا بلاغ للنّاس

جامعہ دار العلوم کراچی کا ترجمان

محرم الحرام ۱۴۳۱ھ - جنوری ۲۰۱۰ء

دورۂ حدیث اور درجہ سابعہ کی جدید درسگاہوں کے ایک دروازے کا دلکش منظر
(یہ دروازہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے منسوب ہے)
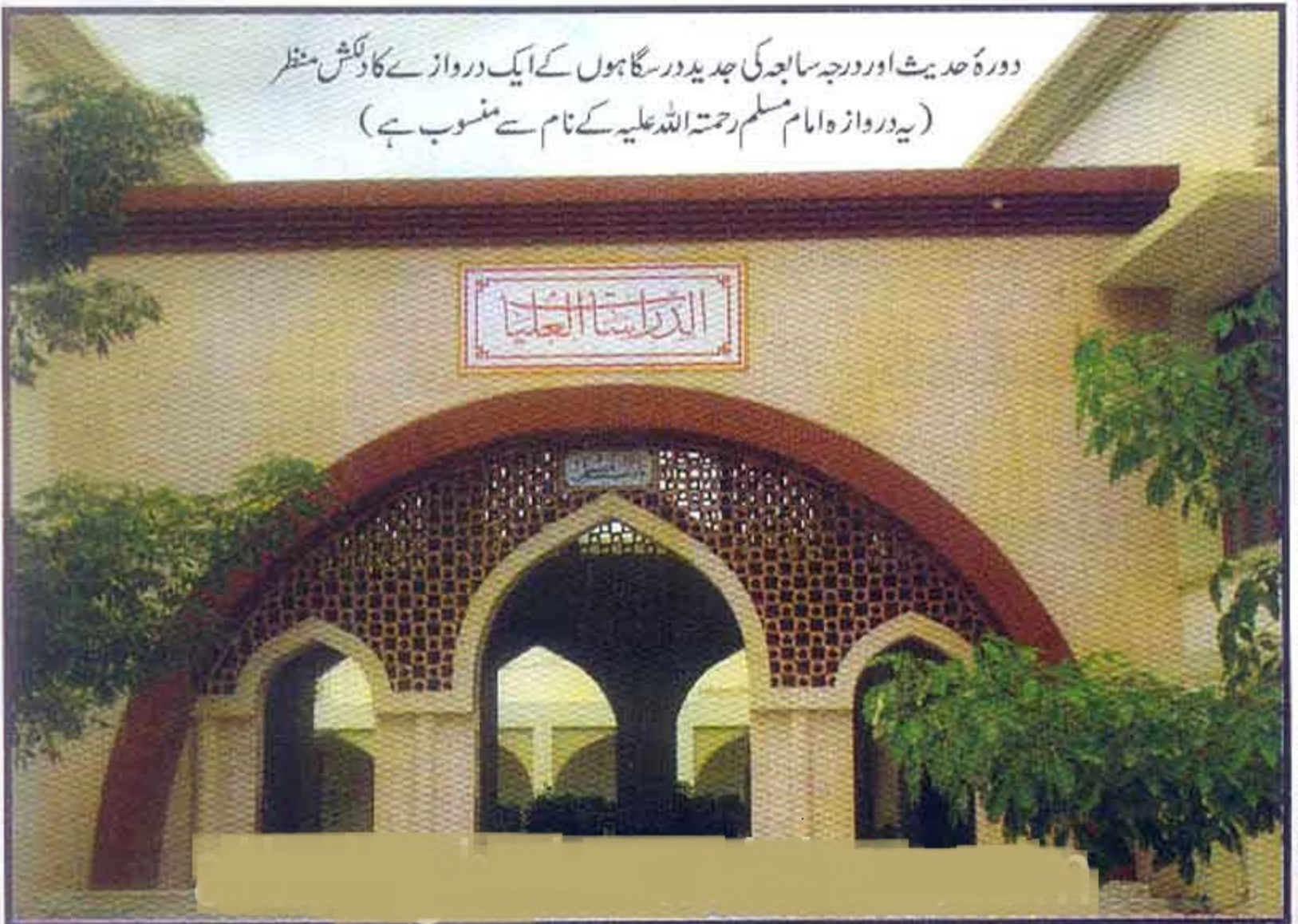
بانی: مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب

دفتر البلاغ کا نیا ٹیلی فون نمبر نوٹ فرمالیں:

35123222

فی شمارہ .... -/۲۵ روپے

سالانہ .... -/۳۰۰ روپے

بذریعہ رجسٹری .... -/۴۲۵ روپے

سالانہ زرتعاون
بیرون ممالک

امریکہ، آسٹریلیا، افریقہ اور
یورپی ممالک .... ۳۵ ڈالر

سعودی عرب، انڈیا اور
متحدہ عرب امارات .... ۲۷ ڈالر

ایران، بنگلہ دیش .... ۲۵ ڈالر

خط و کتابت کا پتہ

ماہنامہ ''البلاغ'' جامعہ دارالعلوم کراچی

کورنگی انڈسٹریل ایریا کراچی ۷۵۱۸۰

فون نمبر:۔ 35123222
35049774-6

بینک اکاؤنٹ نمبر

میزان بینک لمیٹڈ

کورنگی انڈسٹریل ایریا برانچ

اکاؤنٹ نمبر: 0109-036-153

Email Address
albalagh_ue@cyber.net.pk
jamiadarulolumkhi@hotmail.com
www.jamiadarululoomkhi.edu.pk

کمپوزنگ

ایس۔بی۔ایس انٹر پرائز کراچی

پبلشر: محمد تقی عثمانی

پرنٹر: ۔القادر پرنٹنگ پریس کراچی

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

تاجکستان کا سفر

حمد وستائش اس ذات کے لئے ہے جس نے اس کارخانۂ عالم کو وجود بخشا

اور

درود وسلام اس کے آخری پیغمبرؐ پر جنہوں نے دنیا میں حق کا بول بالا کیا

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی امابعد!

شوال ۱۴۳۰ھ کے آغاز میں مجھے پاکستان میں تاجکستان کے سفارت خانے کی طرف سے پیغام ملا کہ تاجکستان کی حکومت اس مہینے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ایک عالمی کانفرنس منعقد کررہی ہے جس میں مجھے بھی مدعو کیا گیا ہے۔ میں عام طور سے ایسی کانفرنسوں میں شرکت سے معذرت ہی کرلیا کرتا ہوں، اور اتفاق سے ان دنوں میں نے بنگلہ دیش جانے کا وعدہ کیا ہوا تھا، اس لئے عذر بھی واضح تھا، لیکن ہمارے یہاں تاجکستان کے جو طلبہ زیر تعلیم ہیں، انہوں نے اصرار کیا کہ مجھے اس موقع پر یہ دعوت ضرور قبول کرنی چاہئے، ان کا کہنا تھا کہ اول تو یہ پہلا موقع ہے کہ تاجکستان کی حکومت کسی دینی موضوع پر ایسا اجتماع منعقد کررہی ہے، دوسرے عام حالات میں پاکستان کے علماء کا تاجکستان کا دورہ کرنا بوجوہ بہت مشکل ہے، اور اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اگر وہاں کا ایک سفر ہوجائے گا تو وہاں کے دینی حلقوں کیلئے تقویت کا باعث ہوگا، تاجکستان میں ہمارے دارالعلوم سے تعلیم پاکر بہت سے طلبہ گئے ہیں، ان کے بھی ٹیلیفون آئے، اور انہوں نے بھی اسی رائے کا اظہار کیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے نام پر میں نے اس سفر کا ارادہ کرلیا، اور بنگلہ دیش کے میزبان بھی وہاں کا سفر مؤخر کرنے پر راضی ہوگئے۔

وسط ایشیا کی جو مسلم ریاستیں سوویت یونین سے آزاد ہوئی ہیں، ان میں سے ازبکستان اور کرغیزستان کا سفر میں پہلے کرچکا ہوں (کرغیزستان کا سفرنامہ شائع بھی ہوچکا ہے) لیکن تاجکستان کے سفر کا یہ پہلا موقع تھا، اور چونکہ کرغیزستان اور روس کے سفر میں میرے محبّ مکرم جناب جاوید ہزاروی صاحب میرے ساتھ تھے، اور وہ ان ریاستوں کا بار بار سفر کرچکے ہیں، اور وہاں کے حالات سے اچھی طرح باخبر ہیں، اس

لئے میں نے ان سے درخواست کی کہ وہ بھی میرے ساتھ چلیں، اور وہ بھی بخوشی تیار ہوگئے۔

تاجکستان کا تعارف

سفر کے حالات شروع کرنے سے پہلے تاجکستان کا ایک مختصر تعارف مناسب معلوم ہوتا ہے۔ تاجکستان اس وقت ایک آزاد ریاست ہے جس کی آبادی کی بھاری اکثریت مسلمان ہے۔ پچپن ہزار دو سو پچاس مربع میل میں پھیلی ہوئی یہ ریاست زیادہ تر پہاڑی علاقوں پر مشتمل ہے جس میں پامیر کے کوہستانی سلسلے کی برف پوش چوٹیاں بھی داخل ہیں۔ مشرق میں اس کی سرحدیں چین سے، مغرب اور شمال میں ازبکستان اور کرغیزستان سے اور جنوب میں افغانستان سے ملتی ہیں۔ ملک کا دارالحکومت دوشنبے ہے، اور دوسرا بڑا شہر خجند ہے جہاں سے بہت سے علماء اور اولیاء اللہ پیدا ہوئے ہیں، اور مولانا رومی کے شیخ حضرت خواجہ شمس تبریز کے مرشد بابا کمال الدین (رحمہم اللہ تعالیٰ) بھی، جن کو بعض تذکروں میں جندی اور بعض میں خجندی لکھا جاتا ہے، غالباً یہیں گذرے ہیں۔ تاجکستان کی قومی اور سرکاری زبان فارسی ہے، لیکن روسی غلبے کے بعد اُسے روسی رسم الخط میں لکھا جاتا ہے۔

یہ ملک اُس وسیع علاقے کا ایک حصہ تھا جسے عربی مآخذ میں ماوراء النہر کہا جاتا ہے۔ اس اصطلاح میں نہر سے مراد دریائے جیحون ہے جسے آجکل دریائے آمو کہتے ہیں، اس دریا کے پار کا سارا علاقہ ماوراء النہر کہلاتا تھا، اور اس میں تاجکستان، کرغیزستان اور تاجکستان کے تمام علاقے داخل تھے۔ مسلمانوں نے یہ علاقے دوسری صدی ہجری ہی میں فتح کرلئے تھے۔ اور یہ پورا خطہ جو آجکل کئی ریاستوں میں بٹا ہوا ہے، اسلامی ملک کا ایک صوبہ تصور ہوتا تھا۔ آخری دور میں امارت بخارا میں جہاں ازبکستان کے علاقے آتے تھے، وہاں تاجکستان کے تمام علاقے بھی اُسی کے زیرنگین تھے۔ اٹھارویں صدی میں دریائے جیحون کے جنوب مغربی علاقے جن میں بلخ کا علاقہ بطور خاص داخل ہے، افغانستان کا حصہ بن گئے، اور تاجک نسل کی ایک بڑی آبادی وہاں موجود ہے۔ ۱۸۶۰ء میں زارروس نے وسط ایشیائی ریاستوں پر قبضہ کرنا شروع کیا۔ امارت بخارا ایک عرصے تک روسی حملوں کا مقابلہ کرتی رہی، لیکن بالآخر ۱۸۶۸ء میں اس پورے علاقے کو روس نے اپنے قبضے میں لے لیا۔ ۱۹۱۷ء میں کمیونسٹ سوویت انقلاب آیا تو اُس نے ان سارے علاقوں پر قبضہ کرنے کی کوشش کی، اور ۱۹۲۱ء میں دوشنبے پر قبضہ کرلیا۔ بخارا کے ابراہیم بیگ کی قیادت میں مسلمانوں کی تحریک مزاحمت ۱۹۳۱ء تک چلتی رہی، لیکن آخر کار سوویت روس اس پورے علاقے پر اپنا اقتدار قائم کرنے میں کامیاب ہوگیا، اور اُس نے تاجکستان کو اپنی پندرہ ریاستوں میں سے ایک قرار دیکر اُسے سوویت ری پبلک قرار دیدیا۔ مسلمانوں پر مظالم کا سلسلہ تو زارروس کے وقت ہی سے

جاری تھا، لیکن سوویت یونین کے اقتدار میں یہ مظالم انتہا کو پہنچ گئے۔ مسجدیں ختم کردی گئیں، نماز پڑھنا ممنوع کردیا گیا، دینی تعلیم کا تو ذکر ہی کیا ہے، قرآن کریم کے نسخے رکھنا بھی جرم قرار پایا، جن علماء نے مزاحمت کی کوشش کی، انہیں انتہائی اذیت ناک موت کا سامنا کرنا پڑا۔ اور مسلمانوں کے تقریباً چوہتر سال اسی آزمائش میں گذرے۔ لیکن آفرین ہے یہاں کے مسلمانوں اور بطور خاص علماء کو کہ انہوں نے ان صبر آزما حالات میں بھی دین کو باقی رکھنے کیلئے بے مثال قربانیاں دیں۔ وہ چھپ چھپ کر نمازیں پڑھتے، اور ایک دوسرے کو سکھاتے، آدھی رات گذرنے کے بعد جب روسی اہل کار خواب راحت کے مزے لے رہے ہوتے تھے، ان کے تہ خانوں اور حجروں میں دین کی تعلیم کا سلسلہ شروع ہوتا، اور پو پھوٹنے سے پہلے ختم ہوجاتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ چوہتر سال تک ظلم وتشدد کی چکی میں پستے رہنے کے باوجود انہوں نے اپنے دین وایمان کو محفوظ رکھا، اور جب سوویت یونین کا اقتدار ٹوٹا، تو ان کی اکثریت اندر سے سچی اور پکی مسلمان ہوکر نکلی۔ سوویت یونین سے آزادی کے بعد جب تاجکستان نے ایک آزاد ریاست کی شکل اختیار کی تو یہاں کے بعض پُر جوش مسلمانوں نے یہ کوشش کی کہ یہ ایک ٹھیٹھ اسلامی ریاست بنے، اور اس غرض کیلئے انہوں نے مسلح جدوجہد شروع کردی جس کی بنا پر یہ ملک آزاد ہونے کے بعد کئی سال تک خانہ جنگی کا شکار رہا۔ آخر کار تاجکستان کے موجودہ صدر امام علی عبدالرحمٰن برسر اقتدار آئے تو انہوں نے مصالحت کی پالیسی اختیار کرنی چاہی، مسلح جدوجہد کے قائد عبداللہ نوری تھے۔ ان کو بھی یہ احساس ہوا کہ اس خانہ جنگی کے نقصانات زیادہ ہیں، اور انہیں اپنی جدوجہد کا طریقہ بدلنا چاہئے، اس لئے وہ بھی صلح پر آمادہ ہوگئے، اور اس طرح دونوں گروہوں میں اس بات پر صلح ہوئی کہ عبداللہ نوری کی جماعت کو حزب اسلامی کے نام سے سیاست میں حصہ لینے کا حق ہوگا۔ چنانچہ جو حضرات مسلح جدوجہد کررہے تھے، انہوں نے پُر امن جمہوری طریقے پر کام کرنا شروع کردیا، اور اب وہ پارلیمنٹ کی رکنیت کے ذریعے اپنے مقاصد حاصل کرنے کی کوشش کررہے ہیں، شروع میں ان کو پارلیمنٹ میں مؤثر نمائندگی حاصل تھی، لیکن نامعلوم اسباب کے تحت ان کی نمائندگی گھٹتی چلی گئی، اور اب پارلیمنٹ میں ان کی نشستیں تھوڑی ہی سی ہیں، لیکن اس کا نتیجہ یہ ہے کہ حکومت کی پالیسیوں پر تنقید کی فی الجملہ آزادی ہے، اور اس کا کچھ نہ کچھ اثر ظاہر ہوجاتا ہے، لیکن دوسری طرف حکومت کو یہ خطرہ لگا رہتا ہے کہ دینی طاقتیں پھر سے اس کیلئے کوئی مسئلہ پیدا نہ کردیں چنانچہ ابھی تک پرائیویٹ مدرسوں کی اجازت نہیں ہے۔ مسجدیں اگرچہ کھل گئی ہیں، لیکن ان میں دینی کام بہت مختصر پیمانے پر ہی کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح ملک کی مجموعی صورت حال روسی اقتدار کے مقابلے میں کچھ بہتر ضرور ہے، لیکن ان پابندیوں کی وجہ سے دینی کام کرنے والوں کیلئے کافی مشکلات ہیں۔ حالات کے اس پس منظر میں حکومت کی طرف سے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے

بارے میں ایک عالمی اجتماع منعقد کرنے کو یہاں کے دینی حلقوں نے حکومت سے اختلاف کے باوجود غنیمت سمجھا، اور اسی لئے مجھ سے یہ فرمائش کی کہ میں اس میں شرکت ضرور کروں۔

دوشنبے تک کا سفر

چنانچہ جمعہ ۲/اکتوبر ۲۰۰۹ء کی شام ہم کراچی سے اسلام آباد کیلئے روانہ ہوئے، اور وہاں سے رات ایک بجے کرغیزستان ایئر لائنز کے طیارے میں سوار ہوئے۔ طیارے ہی میں یہ معلوم ہوا کہ پاکستان سے اسلام آباد کی اسلامی یونیورسٹی کے متعدد اساتذہ اور پنجاب یونیورسٹی کے فارسی شعبہ کے کچھ اساتذہ بھی کانفرنس میں مدعو ہیں، اور میڈیا کے کچھ نمائندوں کو بھی دعوت دی گئی ہے، اور اس طرح انیس افراد اسی طیارے میں سفر کر رہے ہیں۔ تقریباً ڈھائی گھنٹے کی پرواز کے بعد رات کے پچھلے پہر ہم کرغیزستان کے دارالحکومت بشکیک کے ہوائی اڈے پر اُترے، یہاں ہمیں پانچ گھنٹے ایک دوسرے طیارے کا انتظار کرنا تھا جو ہمیں تاجکستان کے دارالحکومت دوشنبے لے جائے۔ اگرچہ رات کا پچھلا پہر تھا، لیکن بشکیک میں ہمارے احباب کی ایک جماعت ہوائی اڈے پر ہمارے استقبال کیلئے نہ صرف موجود تھی، بلکہ انہوں نے ہمارے لئے وی آئی پی لاؤنج کا بھی انتظام کر رکھا تھا۔ ان حضرات میں سے جناب الحاج محمد مختار صاحب، ہمارے دارالعلوم کے فارغ التحصیل عالم مولانا محمد علی کرغیزی، اور کرغیزستان کے نائب مفتی بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ بشکیک کے ان احباب سے تین سال بعد ملاقات ہو رہی تھی، اس لئے دیر تک ان حضرات سے گفتگو رہی، پھر کچھ دیر کیلئے انہوں نے ہمارے آرام کا انتظام بھی کیا، یہاں تک کہ طلوع فجر کے بعد ہوائی اڈے کی مسجد میں نماز ادا کی۔ نماز کے بعد ان حضرات نے پُر تکلف ناشتے کا بھی اہتمام کیا ہوا تھا جس سے لطف اندوز ہونے کے بعد جہاز کی روانگی کا وقت ہو گیا، اور ہم آٹھ بجے صبح تاجکستان ایئر لائنز کے طیارے میں سوار ہو گئے۔ یہ چھوٹا طیارہ تھا، جس نے تاجکستان کے دارالحکومت دوشنبے پہنچنے میں تقریباً تین گھنٹے لئے۔

اس فضائی سفر کا زیادہ تر حصہ پامیر کے طویل وعریض کوہستانی سلسلے پر پرواز کرتے ہوئے طے ہوا۔ جہاز کی بلندی چونکہ زیادہ نہیں تھی، اس لئے پامیر کی برف سے ڈھکی ہوئی چوٹیوں اور ان کی وادیوں کے پیچ وخم کا نظارہ بڑا دلفریب تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کیلئے پانی کا یہ عظیم الشان ذخیرہ ان پہاڑوں کو قدرتی فریزر بنا کر ان کی چوٹیوں پر جمع کر دیا ہے جہاں سے وہ حسب ضرورت پگھل پگھل کر دریاؤں کی شکل اختیار کرتا اور انسان کی سیرابی کا انتظام کرتا ہے۔ قرآن کریم نے اس حقیقت کی طرف ان الفاظ میں توجہ دلائی ہے:

وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَسْكَنَّاهُ فِي الْأَرْضِ (المؤمنون: ۲۳)

"اور ہم نے آسمان سے ٹھیک اندازے کے مطابق پانی اتارا، پھر اسے زمین میں ٹھہرا دیا۔"

اس آیت کے تحت راقم الحروف نے توضیح القرآن میں لکھا ہے:

"یعنی اگر آسمان سے پانی برسا کر تمہیں ذمہ داری دی جاتی کہ تم خود اس کا ذخیرہ کرو تو یہ تمہارے بس میں نہیں تھا، ہم نے یہ پانی پہاڑوں پر برسا کر اُسے برف کی شکل میں جما دیا، جو رفتہ رفتہ پھل پگھل کر دریاؤں کی شکل اختیار کرتا ہے، اور اُس کی جڑیں زمین بھر میں پھیلی ہوئی ہوتی ہیں، جن سے کنویں بنتے ہیں، اور اس طرح زمین کی تہ میں وہ پانی محفوظ رہتا ہے۔"

پامیر کے کوہستانی علاقے سے گذر کر کچھ میدانی علاقے بھی آئے، یہاں تک کہ جہاز دوشنبے کے بین القوامی ہوائی اڈے پر اتر گیا۔ کانفرنس کے منتظمین نے جہاز کی سیڑھیوں پر ہی استقبال کیا، اور وی آئی پی لاؤنج میں لے گئے جہاں حکومت کے اعلیٰ افسران موجود تھے۔ تاجکستان میں پاکستان کے سفیر جناب خالد عثمان قیصر صاحب نے بھی اپنے متعدد افسران کے ساتھ ہمارا خیر مقدم کیا، اور تاجکستان کے بارے میں مفید معلومات مہیا کیں۔ ہمارے دارالعلوم کے فارغ التحصیل عالم مولانا حکمت اللہ صاحب بھی کچھ دیر کیلئے لاؤنج میں آئے، اور انہوں نے بتایا کہ باہر علماء اور معززین شہر کا ایک بڑا مجمع منتظر ہے۔ رسمی کارروائیوں کے بعد جب ہم باہر نکلے تو واقعۃً استقبال کرنے والوں کی ایک بڑی تعداد قطار بنائے کھڑی تھی۔ ان میں ہمارے دارالعلوم اور پاکستان کے دوسرے مدارس کے فضلاء بھی تھے، اور دوسرے محبت رکھنے والے بھی۔ تقریباً ایک صدی کے بعد شاید یہ پہلا موقع تھا کہ برصغیر سے علم دین سے نسبت رکھنے والا کوئی شخص تاجکستان آیا تھا، اس لئے ان حضرات میں سے بعض کی آنکھوں میں مسرت کے آنسو صاف دیکھے جاسکتے تھے۔ ان حضرات سے تفصیلی ملاقات کا نہ کوئی موقع تھا، اور نہ میزبانوں کی طرف سے کئے ہوئے انتظامات اس کی اجازت دیتے تھے، اس لئے ان حضرات سے صرف مختصر سلام ودعا اور مصافحے پر ہی اکتفا کرنا پڑا، ارادہ یہی تھا کہ قیام کے دوران کوئی وقت ایسا رکھا جائے گا جس میں ان سے تفصیلی ملاقات اور گفتگو ہو سکے۔

قیام کا انتظام اُوستا ہوٹل میں تھا۔ قیام گاہ پہنچ کر منتظمین نے بتایا کہ ظہر کے بعد مہمانوں کو یہاں کے ایک تاریخی قلعے (حصار) میں لے جانے کا پروگرام ہے، لیکن سفر کی تھکن اتنی غالب تھی کہ ان سے معذرت کر کے ہم نے کچھ دیر آرام کیا۔ عصر کے بعد پتہ چلا کہ ہوٹل سے باہر ملنے والوں کی ایک جماعت منتظر ہے، جو ہوٹل کے سیکیورٹی کے انتظامات کی وجہ سے اندر نہیں آپا رہی ہے۔ معلوم ہوا کہ ہوٹل کے قریب ہی ایک گلی میں شہر کی سب سے بڑی جامع مسجد ہے۔ ہم نے ارادہ کیا کہ ان حضرات سے اس مسجد

میں ملاقات کی جائے، اور انہیں یہ پیغام بھی بھجوادیا کہ وہ مسجد میں تشریف لے جائیں۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم ہوٹل سے باہر نکلے۔ ہوٹل جس سڑک پر واقع تھا، وہ شہر کی سب سے زیادہ خوبصورت اور بارونق سڑک تھی، جس کے دونوں طرف چنار کے اونچے اونچے درختوں نے اس کے حسن کو دوبالا کررکھا تھا۔ موسم میں بڑی خوشگوار خنکی تھی، اور ہم اس میں چہل قدمی کا لطف لیتے ہوئے مسجد کی طرف روانہ ہوئے۔ جب مسجد کے موڑ پر پہنچے تو لوگوں کا ایک انبوہ سامنے تھا، ان سے فرداً فرداً مصافحہ ہوا۔ ان میں سے کچھ تو ہمارے فضلاء بھی تھے، اور کچھ وہ لوگ تھے جو کتابوں یا انٹرنیٹ کے ذریعے مجھ سے متعارف تھے، اور کچھ صرف پاکستان سے آئے ہوئے ایک طالب علم سے ملنے کے شوق میں آ گئے تھے۔

مسجد کے باہر ایک عمارت میں تاجکستان کا واحد دینی مدرسہ ہے جو سرکاری انتظام میں چل رہا ہے۔ جو ریاستیں روس کے زیر انتظام رہی ہیں، ان میں سوویت یونین کے اقتدار کے زمانے میں اکثر مساجد اور مدارس کو تو ختم ہی کردیا گیا تھا، لیکن ہر ریاست میں انہوں نے ایک ادارہ ''مفتیات'' کے نام سے باقی رکھا تھا جس کی حیثیت کچھ وزارت مذہبی امور سے ملتی جلتی تھی، اسکے سربراہ کو مفتی کہتے تھے، اور اُس کا کام فتوے دینے سے زیادہ مذہبی امور کا انتظام ہوتا تھا، اور اسی کے زیر نگرانی تھوڑی بہت دینی تعلیم بھی ہوجاتی تھی۔ یہی انتظام اب ریاستوں کے آزاد ہوجانے کے بعد بھی قائم ہے، اور یہ مدرسہ بھی اسی نوعیت کا ہے جس میں تعلیم تو واجبی سی ہے، لیکن مساجد کا انتظام وغیرہ اس کے سپرد ہے، اور جو اساتذہ اس میں مقرر ہوجاتے ہیں، ان کو اپنے طور پر دینی کام کرنے کی نسبۃً آزادی بھی میسر آجاتی ہے۔

لوگوں سے ملتے ملاتے جب ہم مسجد کے قریب پہنچے تو وہاں سے اذان مغرب کی دلکش آواز بلند ہورہی تھی۔ یہ بڑی عالی شان قلعہ نما مسجد تھی جس کے بلند مینار اور منقش تعمیر سے اس کا شکوہ ظاہر ہورہا تھا۔ اسے دوشنبے کے مشہور صوفی بزرگ حضرت شیخ یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ کے نام پر جامع مسجد یعقوب چرخی کہا جاتا ہے۔ ان کا مزار تو کہیں اور ہے، لیکن مسجد کو ان کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ مسجد کے امام اسی مفتیات کے ادارے کے ایک صاحب ہیں جو عربی بولنے پر فی الجملہ قادر تھے، وہ بڑی محبت سے ملے، اور مسجد کی خصوصیات سے آگاہ کیا۔ نماز مغرب کے بعد لوگ منتظر تھے کہ وہاں کوئی نشست ہوجائے، لیکن کانفرنس کے منتظمین نے کہا کہ مہمانوں کو کہیں اور لے جانے کا پروگرام طے ہے، اس لئے اس بار بھی ان حضرات سے رخصت چاہی گئی، کانفرنس کے مہمانوں کے اعزاز میں ایک ریسٹورنٹ میں عشائیہ کا اہتمام تھا جسے یہاں ''چائے خانہ'' کہتے ہیں۔ رات کا کھانا وہیں ہوا۔

اگلا دن اتوار تھا، اور کانفرنس پیر کے دن شروع ہونی تھی، اس لئے ہمارا خیال یہ تھا کہ یہ ایک دن فرصت کا ملے گا تو اس میں اپنے تاجکستانی دوستوں سے مفصل ملاقات اور گفتگو بھی ہو سکے گی، ان کے مسائل سمجھ کر کوئی مدد پہنچانے کی بھی کوشش کی جائے گی، اور یہاں کے خاص مقامات پر حاضری بھی ہو جائے گی، لیکن مشیت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اُسی رات کو تین بجے میرے گردے میں درد شروع ہو گیا جو صبح ہوتے ہوتے شدت اختیار کر گیا، منتظمین کی طرف سے ڈاکٹر نے انجکشن دیا، مگر درد موقوف نہ ہوا تو وہ مجھے ہسپتال لے گئے، اور اتوار کا پورا دن اور پیر کا بھی ایک بڑا حصہ مجھے ہسپتال میں رہنا پڑا۔ اس موقع پر کانفرنس کے منتظمین نے جس محبت، لگن اور حسن انتظام کا ثبوت دیا، اُسے بھلایا نہیں جا سکتا۔ نائب وزیر صحت بذات خود ہسپتال لیکر گئے، ہسپتال کے ڈاریکٹر نے اتوار کی چھٹی کے باوجود جن سینئر ڈاکٹروں کی ضرورت تھی، انہیں بلا کر علاج کیا، میرے لئے ایک صاف ستھرا کمرہ مخصوص کیا، اور میرے ساتھیوں مولانا حکمت اللہ صاحب اور مولانا فرخ صاحب کیلئے بھی الگ کمرے میں رات وہیں گذارنے کا اہتمام کیا۔ الحمد للہ، چند گھنٹوں کے بعد درد موقوف ہوا، لیکن مسلسل طبی نگرانی کا اہتمام ہوتا رہا۔ پاکستان کے سفیر جناب خالد عثمان صاحب عیادت کیلئے تشریف لائے، اور تین دن تک میرا پرہیزی کھانا ان کے گھر سے آتا رہا۔ اتوار کے دن میرے رفیق سفر جناب جاوید ہزاروی صاحب کے علاوہ تاجکستان کے مولانا سرور صاحب کو ڈاکٹروں نے میرے ساتھ رہنے کی اجازت دی۔ مولانا سرور صاحب کچھ عرصہ ہمارے دار العلوم میں بھی پڑھے ہیں، لیکن جامعہ فاروقیہ سے فارغ التحصیل ہوئے، وہ دوشنبے سے کافی فاصلے پر ایک شہر میں مقیم ہیں جس کے بارے میں انہوں نے بتایا کہ وہ مشہور محدث، امام بخاری اور امام ترمذی وغیرہ کے استاذ حضرت محمد بن بشار (رحمۃ اللہ علیہم) کا شہر ہے، اور اسی میں ان کا مزار واقع ہے۔ جب مجھے ہسپتال لے جایا جا رہا تھا تو وہ اُس وقت ہوٹل میں مجھ سے ملنے آئے ہوئے تھے، اس لئے ہسپتال میں بھی ساتھ رہے، اور بڑی محبت اور سمجھداری سے تیمارداری کرتے رہے۔ ہسپتال سے باہر سارے دن عیادت کرنے والوں کا ہجوم رہا۔ میں اور میرے رفقاء حیران تھے کہ اتنی بڑی تعداد میں لوگوں کو کس طرح ہمارے یہاں ہونے کی اطلاع ہو گئی ہے جبکہ آنے والوں میں کچھ لوگ سینکڑوں کیلو میٹر کا سفر کر کے آئے تھے۔

اگرچہ سفر کے دوران دیار غیر میں جہاں میرا پہلی بار جانا ہوا تھا، ایسی بیماری بڑی تکلیف دہ ہوتی ہے، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس تکلیف کے ازالے کے اتنے اسباب پیدا فرمائے کہ وطن سے دور ہونے کا احساس بھی نہ ہو سکا۔ اگلے دن کانفرنس شروع ہونی تھی، اور اُس کے افتتاحی اجلاس میں میری

تقریر بھی طے تھی، لیکن ایک اعلیٰ افسر مہمان داری صدر مملکت کی طرف سے عیادت کیلئے آئے، اور انہوں نے صدر کا یہ پیغام پہنچایا کہ آپ کی صحت مقدم ہے، اس لئے آپ کوئی بوجھ نہ رکھیں، اور کل اگر آپ کی طبیعت بہتر ہو، اور ڈاکٹر صاحبان معاینہ کے بعد اجازت دیں تو آپ جب چاہیں، کانفرنس میں آجائیں، اور دل چاہے تو کچھ بات بھی کرلیں، ورنہ آرام ہی کریں۔ چنانچہ اگلے دن دوپہر تک ڈاکٹر صاحبان نے مختلف معاینوں کے بعد مجھے ہسپتال سے جانے کی اجازت دی، لیکن ہوٹل پہنچ کر بھی طبیعت کمزور رہی، اور میں افتتاحی اجلاس میں شریک نہ ہوسکا۔ البتہ میرے لئے الگ گاڑی اور رہنما کا انتظام کردیا گیا تھا، اس لئے شام کے وقت تھوڑی دیر کیلئے محض حاضری دیدی۔

امام اعظمؒ کانفرنس

کانفرنس ایک بڑے پُرشوکت قصر میں ہورہی تھی، اور اُسمیں جاکر اندازہ ہوا کہ کتنے بڑے پیمانے پر ساری دنیا سے لوگ جمع کئے گئے ہیں۔ اگرچہ ایک ایک ملک سے کئی کئی لوگ بلائے گئے تھے، لیکن شاید اس لئے کہ تاجکستان میں اس نوعیت کی کانفرنس کا پہلا تجربہ تھا، اس میں مشاہیر اور ایسے لوگوں کی تعداد کم تھی جو امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی خصوصیت رکھتے ہوں۔ مشاہیر میں شیخ الازہر، مجمع الفقہ الاسلامی کے امین عام ڈاکٹر عبدالسلام عبادی، اور ایران سے مولانا عبدالحمید صاحب اور مولانا محمد اسحاق صاحب قابل ذکر تھے۔

اگلے دن بھی کانفرنس جاری تھی، اور منتظمین نے کہا کہ آپ تھوڑی دیر کیلئے وہاں چلے جائیں، ہم اس بات کا انتظام کردینگے کہ جونہی آپ پہنچیں، آپ کی تقریر کا اعلان کردیا جائے، اور آپ کو انتظار نہ کرنا پڑے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور میں نے عربی میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ کے امتیازات کے موضوع پر مختصر تقریر کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ فقہ حنفی کو پہلا امتیاز تو یہ حاصل ہے کہ وہ فقہاء کرام کی ایک بڑی جماعت کی مشاورت سے تیار ہوا ہے، اور شاید امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پہلے وہ بزرگ ہیں جنہوں نے فقہی مسائل میں باہمی مشاورت کا باقاعدہ اہتمام فرمایا، دوسرا امتیاز یہ ہے کہ چاروں فقہی مذاہب میں فقہ حنفی ہی وہ مذہب ہے جو ایک طویل مدت تک عالم اسلام کے اکثر خطوں میں سرکاری اور عدالتی مذہب بنکر نافذ رہا، اس لئے اُس کا عملی دنیا میں جتنا تجربہ ہوا، کسی اور مذہب کا نہیں ہوا۔ تیسرے اُس میں بین الاقوامی معاملات پر جتنی تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی السیر الکبیر اور امام

سرحسی رحمۃ اللہ علیہ کی شرح السیر الکبیر سے اُس کا اندازہ ہوسکتا ہے۔کل کی کانفرنس میں بعض شرکاء نے حنفی فقہاء کے اصحاب الرأی میں سے ہونے کی یہ تشریح کی تھی کہ وہ مصلحت وقت کی بنیاد پر نصوص کی تشریح اپنی رائے سے کرتے تھے۔ میں نے اس کی مفصل تردید کرتے ہوئے بتایا کہ ''رأی'' کا لفظ اس دور میں ایک مخصوص اصطلاح کے طور پر استعمال ہوتا تھا، اور جن حضرات نے اپنا خصوصی مشغلہ حفظ حدیث کے بجائے فقہی مسائل کے استنباط کو بنایا ہوتا تھا، ان کو ''اصحاب الرأی'' کہا جاتا تھا۔ چنانچہ شروع میں یہ لفظ مالکی فقہاء کے لئے استعمال ہوا، جیسا کہ امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "الاستذکار لما تضمنه الموطأ من معانی الرأی والآثار" کے نام سے ظاہر ہوتا ہے۔ البتہ بعد میں چونکہ فقہ کو خصوصی مشغلہ بنانے میں فقہاء کوفہ اور بالخصوص فقہاء حنفیہ نمایاں رہے، اس لئے یہ لقب ان کیلئے زیادہ استعمال ہوا۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ انہوں نے اپنی ذاتی رائے کو نصوص پر ترجیح دی، یا نصوص کی تشریح مسلم اصولوں کے بجائے محض اپنی مصلحت پسندانہ رائے سے کی۔ آخر میں نے اس پہلو پر زور دیا کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ کانفرنس منعقد کرنے پر تاجکستان مبارکباد کا ضرور مستحق ہے، لیکن امام اعظم کے ساتھ عقیدت ومحبت کا اصل تقاضا یہ ہے کہ انہوں نے اسلامی قوانین کو مدون کرنے کا جو عظیم الشان کارنامہ انجام دیا، اُس سے عالم اسلام اپنی قانون سازی میں استفادہ کرے، اور اُسے اپنے قوانین کی بنیاد بنائے۔

حقیقت یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی حیات طیبہ اور ان کے فقہی مقام پر بات کرکے ایک علمی اور نظریاتی لطف تو لیا جاسکتا ہے، لیکن عملی زندگی میں اُس سے فائدہ اُٹھانے کیلئے اس قسم کی کانفرنسوں کی نہیں، عزم وارادہ کی ضرورت ہے جس کا ہمارے بیشتر مسلمان ملکوں میں فقدان نظر آتا ہے۔ تاجکستان کے غیر سرکاری حلقے اس حقیقت کو محسوس کررہے تھے، اور ان کی طرف سے کانفرنس کے مقاصد کے بارے میں مختلف باتیں کہی جارہی تھیں، لیکن یہاں کے حالات کے پس منظر میں وہ تنہا اس بات کو بھی غنیمت سمجھ رہے تھے کہ حکومت نے ایک عظیم دینی شخصیت کی طرف رخ کیا ہے تو شاید یہ آئندہ دین کے حوالے سے ملک کی پالیسیوں میں کسی بہتری کا پیش خیمہ ثابت ہو۔ کانفرنس کی افتتاحی مجلس میں صدر مملکت نے جو تقریر کی، اُس سے بھی فی الجملہ اس خیال کی کسی قدر تائید ہوتی تھی، کیونکہ انہوں نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ ہمارے ملک کا خمیر توحید کے کلمے پر اٹھا ہے، اور جہاں ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمارا ملک مادی ترقی کرے، وہاں ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ ہماری روحانی اور ایمانی اقدار پوری طرح سلامت

رہیں۔ خدا کرے کہ ان حضرات کا یہ نیک گمان درست ثابت ہو۔

دوشنبے شہر

میں اپنی تقریر کر کے کانفرنس سے چلا آیا، اور چونکہ گذشتہ رات مجھے دوبارہ درد کا احساس ہوا تھا، اس لئے تقریر کے بعد ایک مرتبہ پھر ہسپتال میں معاینہ کیلئے گیا جس کا نتیجہ الحمدللہ بحیثیت مجموعی اطمینان بخش ہی تھا۔ واپسی میں ساتھیوں نے کہا کہ دوشنبے شہر کا ایک طائرانہ دورہ کرلیا جائے، چنانچہ انہوں نے شہر کے خاص خاص مقامات گاڑی ہی سے دکھائے، اور پھر شہر کے وسط میں ایک پہاڑ کی چوٹی پر لے گئے جہاں سے پورے شہر کا نظارہ کیا جاسکتا تھا۔

دوشنبے شہر کا ذکر قدیم کتابوں میں نہیں ملتا۔ سوویت یونین کے عہد اقتدار میں اسے اسٹالن آباد کہا جاتا تھا، اور یہ شہر روسیوں نے تین مختلف آبادیوں کو ملا کر بنایا تھا، ان میں سے ایک آبادی دوشنبے اس لئے کہلاتی تھی کہ وہاں پیر کے دن بازار لگا کرتا تھا۔ جب ملک روس سے آزاد ہوا تو اس کا نام دوبارہ دوشنبے رکھدیا گیا۔ لیکن مجھے یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ شہر اُس علاقے میں واقع ہے جسے قدیم کتابوں میں چغانیاں یا صغانیاں کہا گیا ہے، اور جہاں کے بہت سے علماء صاغانی کی نسبت سے مشہور ہیں۔ اس خیال کی وجہ یہ ہے کہ دوشنبے ہی میں شیخ یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے، اور ان کے حالات میں یہ مذکور ہے کہ وہ چغانیاں میں مقیم تھے۔ اب میں نے تاجکستان کے متعدد حضرات سے پوچھا تو چغانیاں کے نام سے کوئی شہر یا بستی انہیں معلوم نہیں تھی، قدیم کتابوں میں چغانیاں کا جو تعارف کرایا گیا ہے، اُس سے بھی گمان یہی گذرتا ہے کہ یہ بستی ان تین بستیوں میں سے ایک ہوگی جنہیں ملا کر دوشنبے شہر آباد کیا گیا ہے، واللہ سبحانہ اعلم۔ اگر یہ بات درست ہے تو یہ علاقہ کسی وقت بڑے عظیم علماء کا مرکز رہا ہوگا۔

دریائے ورزوب

دوشنبے شہر یہاں کے مشہور دریا ورزوب کے دونوں طرف آباد ہے۔ شہر سے باہر پہاڑیوں کا ایک دورویہ سلسلہ ہے جس کے درمیان یہ دریا اسی طرح بہتا ہے جیسے ہمارے ملک میں دریائے سوات یا دریائے کنہار بہتا ہے۔ شہر سے تقریباً تیس کیلومیٹر کے فاصلے پر انہی پہاڑیوں اور دریا کے درمیان ایک تفریحی مقام ہے جہاں صدر مملکت نے عین دریا کے اوپر اپنا ایک محل بنایا ہوا ہے۔ آج کانفرنس کے مندوبین کو اس محل میں ظہرانہ دیا گیا تھا۔ اگرچہ طبیعت کی کمزوری کی وجہ سے شروع میں وہاں جانے کی

ہمت نہیں ہورہی تھی، لیکن ساتھیوں نے کہا کہ وہاں جانے سے امید ہے کہ فرحت حاصل ہوگی، اس لئے ہم اس میں شرکت کیلئے روانہ ہوگئے۔ شہر سے نکل کر سارا راستہ دونوں طرف پہاڑوں اور بیچ میں بہتے ہوئے دریا کے خوبصورت مناظر پر مشتمل تھا، اور کہیں کہیں چھوٹی چھوٹی بستیاں بھی آجاتی تھیں۔ منزل مقصود پر پہنچے تو واقعۃً وہ بڑا فرحت آفریں علاقہ تھا، کچھ کچھ ہمارے سوات کے علاقے میں بحرین کے مشابہ۔ اُس پر یہ صدارتی محل اس تفریحی مقام کے دل میں عین دریا کے اوپر بنایا گیا ہے، اور اُس کے اطراف میں خوبصورت باغات ہیں جن میں میوہ دار درخت اور پھولوں کے پودے بڑے قرینے سے لگائے گئے ہیں۔ عام حالات میں واقعی یہ خوبصورت مقامات دل ودماغ کی تازگی کا سبب بنتے ہیں، لیکن بیماری کی وجہ سے مجھے کمزوری بہت زیادہ محسوس ہورہی تھی، اور سخت قسم کی دواؤں نے ایسا لگتا تھا کہ دل ودماغ کو ماؤف کررکھا ہے، اس لئے طبیعت ان مناظر سے لطف لینے کے بجائے اس فکر میں رہی کہ کب جلد از جلد یہاں سے واپس جاکر آرام کیا جائے۔ کسی نے صحیح کہا ہے کہ:

نہ کلی ہے وجہ نظر کشی، نہ کنول کے پھول میں تازگی
فقط ایک دل کی شگفتگی۔ سبب نشاط بہار ہے

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر آن ہم پر اپنی بیشمار نعمتوں کی جو بارش کی ہوئی ہے، ان میں دل کی شگفتگی ایسی نعمت ہے جو خالص اللہ تبارک وتعالیٰ کی عطا ہے، اور اُسے بڑی سے بڑی دولت خرچ کرکے بھی خریدا نہیں جاسکتا۔ اکثر اوقات یہ نعمت ہمیں مفت حاصل رہتی ہے، مگر دن رات اس سے نہال ہونے کے باوجود ہم اس کا شکر تو کیا ادا کرتے، اکثر اُس کے احساس واعتراف سے بھی غافل رہتے ہیں، اور جب کبھی وہ رخصت ہوجاتی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ وہ کیسی بڑی نعمت تھی، اور اُس وقت بھی شکر کے بجائے اکثر ناشکری کے کلمات زبان سے نکل جاتے ہیں۔ اگر انسان حاصل شدہ نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی عادت ڈال لے تو اللہ تبارک وتعالیٰ سے اُس کا تعلق مضبوط ہو، اور اُس کی دنیا اور آخرت سنور جائے۔

ظہرانے سے واپس آنے کے بعد عصر پڑھکر ہم نے کچھ دیر آرام کیا، اس دوران تقریباً ایک گھنٹے مجھے گہری نیند آگئی جس نے جسم وجان کو سیراب کردیا۔ اندازہ ہوا کہ نیند بھی کتنی بڑی نعمت ہے، قرآن کریم کی آیت یاد آئی:

وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا (النبأ: ۷۸:۹)

''اور تمہاری نیند کو تھکن دور کرنے کا سبب ہم نے بنایا''

مغرب کی نماز پڑھکر طبیعت بڑی حد تک بحال ہوچکی تھی، اور سوچا کہ دوشنبے میں قیام کا بس ایک دن اور باقی ہے جس کا نظم پہلے سے طے ہو چکا ہے۔ اس لئے بعد مغرب کے اس وقت سے حضرت شیخ یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد میں حاضری دینے اور اُن کے مزار پر سلام عرض کرنے کا فائدہ اُٹھایا جائے۔ مولانا حکمت اللہ اور مولانا فرخ صاحبان دودن سے ہر وقت ہمارے ساتھ تھے، اور ہوٹل میں بھی ساتھ ہی مقیم تھے، ان کی رہنمائی میں ہم ہوٹل سے روانہ ہوئے، اور تھوڑی ہی دیر میں منزل تک پہنچ گئے۔ وہاں جاکر دیکھا کہ ہمارے وہاں آنے کی خبر پاکر کچھ اور ساتھی بھی پہنچے ہوئے تھے۔

شیخ یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد میں

حضرت شیخ یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ اصلاً غزنی کے قریب ایک بستی چرخ کی طرف منسوب ہیں۔ وہ نقشبندی سلسلے کے بانی حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب میں سے تھے، لیکن حضرت نے انہیں اپنے خلیفہ حضرت علاؤ الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد کردیا تھا جو چغانیاں میں مقیم تھے، اس لئے وہ بھی یہاں آکر مقیم ہوگئے تھے۔ اور انہی کے اصحاب میں شمار ہوئے، وہ صوفیاء کرام میں بلند مرتبہ کے حامل تھے۔ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ ان کے خلیفہ تھے جن سے نقشبندی سلسلے کی ایک مستقل شاخ چلی ہے۔ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب نفحات الانس میں اور حضرت شیخ ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ نے نسمات القدس میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔

یہاں ان کے مزار کے پاس ایک مسجد ہے جس کے صحن کے چاروں طرف کچھ اس قسم کی عمارتیں بنی ہوئی ہیں جیسے وہ کسی وقت مدرسہ رہا ہو۔

پھر مسجد کی مشرقی سمت میں ان کا مزار واقع ہے۔ ان کو سلام عرض کرنے اور ایصال ثواب کی توفیق ہوئی۔

ایران کے دارالعلوم زاہدان کے مہتمم مولانا عبدالحمید صاحب بھی کانفرنس میں شرکت کیلئے آئے ہوئے تھے۔ رات کے وقت وہ ملاقات کیلئے تشریف لے آئے۔ ملاقات کے علاوہ ہم نے اس موضوع پر بھی گفتگو کی کہ تاجکستان سے طلبہ کی اچھی خاصی تعداد جو دینی علوم کی تحصیل کیلئے پاکستان یا ایرانی

بلوچستان جاتی ہے، اور پھر یہاں آکر دینی خدمات انجام دینا چاہتی ہے، ہم اپنے قیام کے دوران ان کی مشکلات دور کرنے کیلئے کیا کرسکتے ہیں۔ بعض طریقے سوچے گئے، اور ان کے بارے میں حکومت تاجکستان کے ذمہ داروں اور پاکستانی سفارت خانے سے بات کرنا طے ہوا۔ اول الذکر ذمہ داری مولانا عبدالحمید صاحب نے لی، کیونکہ ابھی انہیں کئی دن تک یہاں رہنا تھا، اور ثانی الذکر کے بارے میں ہم نے کوشش کا ارادہ کیا۔

اگلا دن بدھ تھا، اور ہم نے کانفرنس کے منتظمین سے یہ اجازت لی ہوئی تھی کہ دارالعلوم کراچی یا پاکستان کے دوسرے دینی مدارس میں پڑھے ہوئے تاجکستانی طلبہ سے ابتک ہمیں تفصیلی ملاقات اور گفتگو کا موقع نہیں مل سکا، اس لئے ہم ان کے نظم سے ہٹ کر آج ان سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ ایک تاجکستانی تاجر کے دفتر میں جو ایک بڑے احاطے میں واقع تھا، اپنے ان ساتھیوں کو جمع کیا گیا تھا، وہاں یہ حضرات جمع ہوئے، ان کے حالات اور مسائل سے فی الجملہ واقفیت ہوچکی تھی، اس لئے میں نے ان سے اس موضوع پر بات کی کہ موجودہ حالات میں انہیں کس طرح کام کرنا چاہئے۔ صورت حال کچھ ایسی بنی ہوئی ہے کہ ان حضرات کو تاجکستان میں کوئی دینی خدمت انجام دینے میں دوطرفہ مشکلات کا سامنا ہے، ایک طرف چونکہ پاکستان کے بارے میں ہماری غلط حکمت عملی کے نتیجے میں یہ تأثر عام کردیا گیا ہے کہ یہ دہشت گردوں کا ملک ہے، اس لئے یہاں سے پڑھ کر جانے والوں کو حکومتی حلقوں میں شک وشبہ کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، دوسرے اس ملک میں جو قدیم طرز کے علماء اثرورسوخ رکھتے ہیں، ان کا یہ کارنامہ تو ناقابل انکار ہے کہ انہوں نے سوویت یونین کے جبرواستبداد کے دور میں دین کی حفاظت کیلئے اپنی جانیں لڑادیں، اور ہرطرح کی قربانیاں دیکر اپنے دین کو محفوظ رکھا، لیکن اتنے عرصے تک علوم اسلامی کے مراکز سے کٹے رہنے کی بناپر ان میں کچھ ایسے نظریات اور ایسے طریقے جاری ہوگئے ہیں جو قابل اصلاح ہیں۔ جو طلبہ دینی علوم سے آراستہ ہوکر وہاں جاتے ہیں، وہ ان طریقوں سے متفق نہیں ہوپاتے تو یہ قدیم طرز کے علماء بھی انہیں شک وشبہ کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس طرح ان حضرات کو دوہری رکاوٹوں کا سامنا ہے۔ تیسرے ابھی تک اس ملک میں دینی تعلیم وتربیت کا کوئی ایسا انتظام نہیں ہے جس کے ذریعے یہ حضرات یہاں دینی خدمات انجام دے سکیں۔ میں نے ان سے یہ گذارش کی کہ وہ حکمت اور تدریج کے ساتھ الاہم فالاہم کے اصول پر کام کریں، اپنے لئے کوئی بھی معاشی مشغلہ اختیار کرکے مساجد کے ذریعے انفرادی دعوت اور تعلیم کا کام کرتے رہیں۔ اس سلسلے میں

وہاں کے حالات کے مطابق جو مشورے مناسب معلوم ہوئے، دیئے گئے۔ ان حضرات نے بہت سے فقہی سوالات لکھے ہوئے تھے، دیر تک ان کے جوابات کا سلسلہ رہا۔ مولانا معین الدین صاحب عرصہ پہلے دارالعلوم کراچی سے فارغ التحصیل ہوکر گئے تھے، انہوں نے مجھ سے جامع ترمذی پڑھی تھی۔ الحمدللہ وہ یہاں بڑی سمجھداری سے کام کررہے ہیں۔ یہ خوشی کی بات ہے کہ دوشنبے کے ان نوجوان علماء نے انہیں اپنا بڑا مانا ہوا ہے، اور ہر کام ان کے مشورے سے کرتے ہیں۔ اس مجلس کے نتیجے میں جو تقریباً دو گھنٹے جاری رہی، ان حضرات کی کافی تشفی ہوئی، اور کئی روز سے مفصل ملاقات نہ ہونے کا جو احساس چل رہا تھا، وہ دور ہوا۔

واپسی میں مولانا معین الدین صاحب کی مسجد میں بھی مختصر حاضری اور دعا ہوئی۔ اُسکے بعد سفیر پاکستان جناب خالد عثمان صاحب نے پاکستان سے آئے ہوئے وفد کے اعزاز میں ظہرانہ دیا ہوا تھا۔ چنانچہ تقریباً ایک بجے ہم پاکستانی سفارت خانے میں پہنچے۔ عام طور سے ہمارے سفارت خانوں کے بارے میں یہ تأثر پایا جاتا ہے کہ وہ ملک کی کماحقہ نمائندگی کا حق ادا نہیں کرتے۔ لیکن یہاں کے سفارت خانے کو ہم نے اس عام تأثر سے مختلف پایا۔ جناب خالد عثمان صاحب ماشاء اللہ ایک فعال اور محبّ وطن انسان ہیں، انہوں نے تاجکستان میں ملک کے مفادات کا تحفظ کرنے کی جو کوششیں کی ہیں، ان کی تفصیل بیان فرمائی۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ یہاں پاکستانی مصنوعات کی کھپت کے بڑے روشن امکانات ہیں، اور وہ اس ملک سے تجارت بڑھانے کیلئے کیا اقدامات کررہے ہیں۔ ان سے تاجکستانی طلبہ کو ویزا جاری کرنے کے بارے میں بھی بات ہوئی۔ انہوں نے اس کا طریق کار بتایا، اور یقین دہانی کی کہ ملک کے مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ اس کی پوری کوشش کریں گے کہ لوگوں کو ویزا کے اجراء میں غیر ضروری زحمت نہ اُٹھانی پڑے۔ میری بیماری کے دوران انہوں نے جس محبت سے

میرا خیال رکھا، اور ان کی اہلیہ محترمہ نے میرے لئے پرہیزی کھانا بھجوانے کا جو اہتمام کیا، اُس پر میں نے ذاتی طور پر ان کا شکریہ ادا کیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ انہیں اس کی بہترین جزا دنیا وآخرت میں عطا فرمائیں، ور ملک وملت کی زیادہ سے زیادہ خدمت کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

بشکیک میں

اگلا دن بدھ تھا، اور دس بجے صبح ہماری واپسی کا سفر شروع ہونا تھا، چنانچہ ہوٹل میں اور اس کے بعد

دوشنبے کی سب سے بڑی جامع مسجد
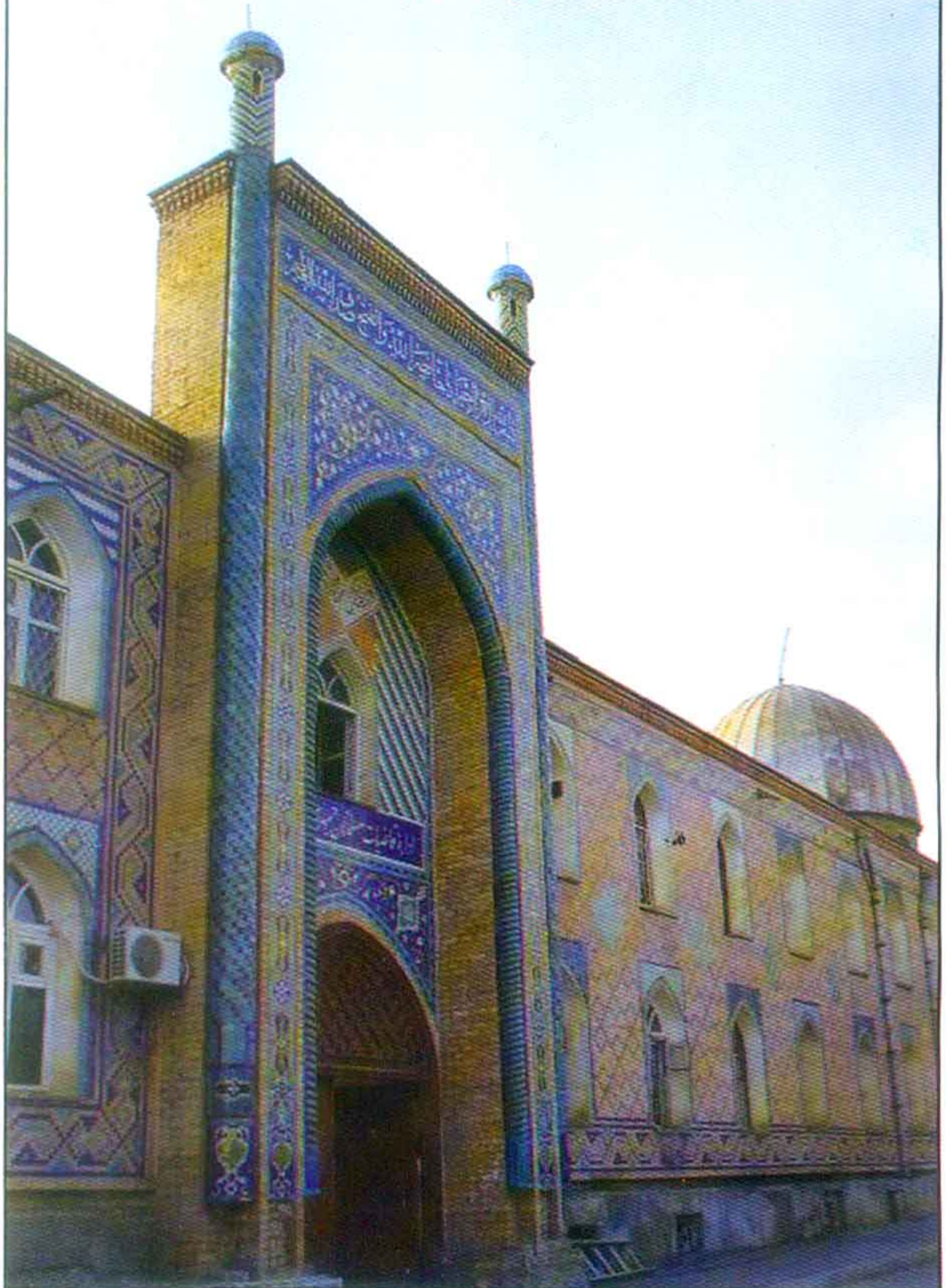
شیخ یعقوب چرخی رحمتہ اللہ علیہ کی مسجد اور خانقاہ
جس میں ان کا مزار بھی واقع ہے

دریائے درزوب

ہوائی اڈے پر الوداع کہنے والوں سے ملتے ملاتے ہم دس بجے کرغیزستان ایئرویز کے طیارے میں سوار ہوگئے۔ تاجکستان اگرچہ کرغیزستان کے مقابلے میں پاکستان سے زیادہ قریب ہے، چنانچہ اگر اسلام آباد سے دوشنبے کیلئے کوئی براہ راست پرواز ہوتو یہ سفر شاید ڈیڑھ گھنٹے میں پورا ہوجائے، لیکن چونکہ کوئی براہ راست پرواز میسر نہیں ہے، اس لئے آمدورفت دونوں میں پہلے کرغیزستان جانا پڑتا ہے، پھر وہاں سے لوٹ کر آنا پڑتا ہے، پھر کرغیزستان کے دارالحکومت بشکیک کیلئے بھی اسلام آباد سے ہفتے میں صرف ایک پرواز ہے جو جمعہ کے دن آتی جاتی ہے، اس لئے ہمیں جمعرات کو بشکیک پہنچ کر ڈیڑھ دن وہاں رکنا تھا۔ میں تین سال پہلے جب کرغیزستان آیا تھا تو یہاں کے ایک تاریخی شہر اوزجند جانے کی خواہش تھی، اور اس کے لئے اوش تک سفر بھی کیا تھا، لیکن اُن دنوں اوزجند میں کچھ بدامنی تھی جس کی وجہ سے وہاں کا راستہ بند کردیا گیا تھا، اور میں وہاں نہیں جاسکا تھا۔ اس مرتبہ جناب جاوید ہزاروی صاحب اور بشکیک کے احباب نے یہ پروگرام بنایا تھا کہ جب ہم دوشنبے سے بشکیک واپس آئیں تو ہوائی اڈے ہی سے جہاز کے ذریعے اوش جائیں، اور وہاں سے کار کے ذریعے اوزجند جاکر وہیں قیام کریں، اور جمعہ کو واپس آکر پاکستان روانہ ہوں، لیکن جب میں دوشنبے میں بیمار ہوا تو دوستوں کی رائے یہ ہوئی کہ اس حالت میں یہ پُر مشقت سفر مناسب نہیں ہے، چنانچہ وہیں سے فون کے ذریعے بشکیک کے حضرات کو یہ پروگرام ملتوی کرنے کیلئے کہدیا گیا تھا، اور انہوں نے خریدے ہوئے ٹکٹ بھی واپس کردیئے تھے، اور ان سے کہدیا گیا تھا کہ بشکیک کے قیام کے دوران کوئی پروگرام نہ رکھیں، اور یہ وقت مکمل آرام کیلئے مخصوص رکھا جائے۔

جب ہم بشکیک پہنچے تو مولانا محمد علی، مختار صاحب اور متعدد احباب نے حسب توقع استقبال کیا۔ اور اگرچہ ائیر لائنز کی طرف سے ہمارے لئے ایک ممتاز ہوٹل میں بکنگ موجود تھی، لیکن بشکیک کے ایک مشہور تاجر جناب ثمر صاحب کی فرمائش پر احباب نے قیام کا انتظام ان کے مکان پر کیا ہوا تھا جو شہر کے نہایت پُر فضا مقام پر تمام سہولیات سے آراستہ ہے۔ ثمر صاحب خود ہوائی اڈے پر آئے ہوئے تھے، اور ان کا کہنا تھا کہ میں مدت دراز سے آپ سے ملاقات کا خواہش مند تھا، اور اس کیلئے پاکستان کا سفر کرنا چاہتا تھا، لیکن جب آپ کے آنے کی اطلاع ملی تو میں نے اسے اپنے لئے ایک خداساز سامان سمجھا، اور مولانا محمد علی اور مختار صاحب سے فرمائش کی کہ قیام میرے یہاں ہو جسے انہوں نے منظور کرلیا۔

بشکیک کا موسم انتہائی خوشگوار تھا، بادل چھائے ہوئے تھے، اور فضا میں اُس قسم کی خنکی تھی جو ہمیشہ

مجھے بہت اچھی لگتی ہے۔ طبیعت دوشنبے ہی میں کچھ کچھ بحال ہوچکی تھی، یہاں کے موسم، فضا اور میزبانوں کی محبت وخلوص نے اس میں مزید ابھار پیدا کردیا۔ مختار صاحب نے میری طبیعت پر نشاط دیکھا تو کہا کہ اوزجند کا پروگرام اب بھی ہوسکتا ہے، اور وہ اس طرح کہ آج آپ مکمل آرام کریں، اور کل صبح ہم آٹھ بجے کے طیارے سے اوش اور وہاں سے اوزجند چلے جائیں، اور دوپہر تک وہاں رہ کر سہ پہر میں وہاں سے واپس آجائیں، چونکہ بشکیک سے اسلام آباد کیلئے طیارے کو شام ساڑھے سات بجے روانہ ہونا ہے، اس لئے آپ وقت سے کافی پہلے واپس پہنچ جائیں گے۔ اس طرح آپ کی خواہش بھی پوری ہوجائیگی، اور اوزجند کے علماء اور معززین جو آپ کے دورے کی منسوخی سے رنجیدہ تھے، وہ بھی خوش ہوجائیں گے۔ میں نے بھی سوچا کہ نہ جانے پھر کبھی آنا ہو یا نہ ہو، اللہ تعالیٰ کے نام پر رضامندی کا اظہار کردیا۔ ثمر صاحب نے بڑی محبت اور شائستگی سے آرام کا اتنا اچھا انتظام کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے دوپہر کے آرام کے بعد طبیعت اور بہتر ہوگئی۔ عصر کے بعد انہوں نے کہا کہ میں نے بشکیک کے نواحی علاقے میں ایک مسجد تعمیر کی ہے، اور اُس کے ساتھ ایک مدرسہ بھی، ابھی تک اس میں نماز شروع نہیں ہوئی، میرا دل چاہتا ہے کہ وہاں پہلی نماز آپ پڑھائیں، گاڑی میں چلیں تو ہم مغرب کی نماز وہاں پڑھ سکتے ہیں۔ میں نے بھی اسے اپنے لئے سعادت سمجھا، چنانچہ ہم وہاں گئے۔ وسط ایشیا کی مسلم ریاستوں میں کرغیزستان ہی ایسا ملک ہے جہاں مسجدوں اور مدرسوں پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ چنانچہ وہاں کئی دینی مدارس قائم ہوچکے ہیں جن میں ایک مدرسہ ہمارے رفیق سفر جناب جاوید ہزاروی صاحب نے قائم کیا ہوا ہے، اور ایک مدرسہ مولانا محمد علی صاحب نے۔ اب یہ ایک اور مدرسہ ثمر صاحب قائم کرنا چاہتے ہیں، اور وہاں جاکر دیکھا تو انہوں نے ماشاء اللہ بڑی خوش ذوقی اور محبت سے یہ مسجد اور مدرسہ تعمیر کیا ہے۔ یہاں تعمیر کے اخراجات بہت زیادہ ہوتے ہیں، لیکن یہ ساری تعمیر ماشاء اللہ ثمر صاحب نے اپنے ذاتی خرچ پر کی ہے۔ یہاں ہم نے نماز مغرب پڑھی، اور اس طرح مسجد میں نماز کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

رات کو عشاء کے بعد کچھ ملنے والے حضرات آگئے، اور ان کے ساتھ کچھ دیر دینی باتوں اور سوال وجواب کا سلسلہ رہا، اور اس کے بعد آرام۔ اگلے دن صبح آٹھ بجے میں مختار صاحب کے ساتھ ہوائی اڈے پہنچ کر اوش جانے کیلئے جہاز میں سوار ہوا، دوسرے رفقاء کو سیٹ نہ مل سکی، اس لئے وہ بشکیک ہی میں رہ گئے۔ اگرچہ اوش یہاں سے تقریباً چھ سو کیلومیٹر دور ہے، لیکن چھوٹا سا جیٹ طیارہ پچاس منٹ میں

منزل تک پہنچ گیا۔ میں اوش پہلے بھی آچکا ہوں، اور کرغیزستان کے سفرنامے میں اُس کا تعارف بھی کراچکا ہوں، اور اس سفر میں یہ نئی بات معلوم ہوئی جس کی کتابوں سے تصدیق بھی ہوگئی کہ اوش حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کی رحمۃ اللہ علیہ کی جائے پیدائش اور ان کا اصل وطن بھی ہے۔ لیکن اس وقت یہاں قیام پیش نظر نہیں تھا، بلکہ یہاں سے پینتالیس کیلومیٹر دور اوزجند جانا تھا۔ اس کیلئے مختار صاحب کے ایک دوست نے اپنی لینڈ کروزر ہوائی اڈے پر ہی بھیجی ہوئی تھی۔ اُس وقت نو بجے تھے، اور ہمیں سوا دو بجے دوبارہ یہاں سے واپس بشکیک جانے کیلئے طیارے میں سوار ہونا تھا۔ اس لئے ٹکٹ یہاں کے وی آئی پی لاؤنج کے ذمہ داروں کے حوالہ کردیا گیا کہ وہ بورڈنگ کارڈ لیکر رکھیں، اور لینڈ کروزر ہمیں لیکر اوزجند کیلئے روانہ ہوگئی۔ سڑک صاف تھی، 45 کیلومیٹر کا یہ فاصلہ آدھے گھنٹے سے بھی کچھ کم میں طے ہوگیا۔

قاضی خان رحمہ اللہ کے شہر میں

اوزجند شہر کو اوزگند بھی کہا جاتا ہے، اور یہ ماوراء النہر کے مردم خیز خطے فرغانہ کے صوبے میں واقع ہے جس کا بیشتر حصہ اب ازبکستان میں ہے۔ یوں تو اوزجند سے بڑی بڑی نامی گرامی شخصیات پیدا ہوئی ہیں، لیکن ان میں سب سے زیادہ مشہور شخصیت علامہ قاضی خان رحمۃ اللہ علیہ کی ہے جن کے فتاویٰ فقہ حنفی میں مسلم الثبوت بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ مشہور حنفی فقیہ شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ اسی شہر میں مدتوں قید رہے ہیں، اور یہیں پر انہوں نے اپنی شہرہء آفاق کتاب ''المبسوط'' تالیف کی ہے۔ ان کی قبر بھی اسی شہر میں ہے۔

اس شہر میں ایک مینار ہے جو قدامت کے باوجود اپنے شکوہ سے ہر دیکھنے والے کو متأثر کرتا ہے۔ اس مینار کے سامنے کھدائی کے نتیجے میں ایک وسیع وعریض مدرسے کے آثار برآمد ہوئے ہیں جس کے بارے میں گمان یہ ہے کہ وہ علامہ قاضی خان رحمۃ اللہ علیہ کا مدرسہ تھا، اور شاید یہ مینار اُسی مدرسے یا اُس سے متصل مسجد کا مینار رہا ہو۔ ہمارے رہنما نے گاڑی اسی مینار کے پاس جاکر روکی۔ مختار صاحب کے دوست جنہوں نے گاڑی بھیجی تھی، ان کا نام بھی مختار ہے، اور وہ اس صوبے کے گورنر کے رشتہ دار ہیں، اور ہمارے وہاں پہنچتے ہی گورنر صاحب اور مختار صاحب بھی ہمارے استقبال کیلئے وہیں آگئے، اور اپنے ساتھ آثار قدیمہ کے ایک ماہر کو بھی لیکر آئے، جنہوں نے اس مینار اور ان آثار کے بارے میں اپنی معلومات سے ہمیں آگاہ کیا۔ میں نے گورنر صاحب سے کہا کہ آپ کو ایک ایسے علاقے کی خدمت کا

شرف حاصل ہے جو صدیوں تک علم اور تقویٰ کا مرکز رہا ہے۔ میں نے انہیں خاص طور پر علامہ قاضی خان اور شمس الائمہ سرخسی رحمہما اللہ کے بارے میں بتایا۔ انہوں نے کہا کہ شروع میں ہم اس شہر کی اس علمی اہمیت سے آگاہ نہیں تھے۔ بعد میں جب ہمیں یہ معلوم ہوا کہ یہاں سے اتنی عظیم شخصیات پیدا ہوئی ہیں تو ہم اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھتے ہیں۔ ہم نے یہاں کھدائی کرکے اس مدرسے کے آثار برآمد کئے ہیں، اور یہاں ہم اس مدرسے کی یادگار باقی رکھنے کیلئے تعمیری کام کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ کچھ عرصہ پہلے جرمنی کی ایک ٹیم یہاں آئی تھی، اور اُس نے اس جگہ کو محفوظ رکھنے کیلئے ایک جنگلے کی چاردیواری اپنے خرچ پر تعمیر کی ہے۔ اگر اسلامی ممالک بھی اس کام میں دلچسپی لیں تو یہاں بہت سے مفید کام ہوسکتے ہیں۔

علامہ قاضی خان رحمۃ اللہ علیہ کا پورا نام حسن بن منصور اوزجندی ہے، اور فخر الدین ان کا لقب ہے۔ یہ چھٹی صدی ہجری کے فقہاء میں سے ہیں۔ ان کے دادا محمود بن عبدالعزیز اوزجندی رحمۃ اللہ علیہ شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے، اور قاضی خان نے اپنے دادا کے علاوہ علامہ ظہیرالدین مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی فقہ کی تعلیم حاصل کی تھی۔ شہر مرغینان جو صاحب ہدایہ کا بھی وطن ہے، یہاں سے بہت قریب ازبکستان میں واقع ہے۔ فتاویٰ قاضی خان کے علاوہ فقہ پر ان کی اور بھی متعدد تالیفات ہیں جن میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی جامع صغیر کی شرح، اور علامہ خصاف رحمۃ اللہ علیہ کی ادب القضاء کی شرح بھی داخل ہے۔ ان کی وفات ۵۹۲ھ میں ہوئی۔ یہ مدرسہ اگرچہ اب کھنڈر ہوچکا ہے، لیکن یہاں کی فضا میں ان جبال علم وتقویٰ کے انفاس قدسیہ کی مہک محسوس ہوئے بغیر نہیں رہتی۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کے محلے میں

یہاں سے ہم اوزجند کے پرانے محلوں سے گذرتے ہوئے ایک محلے میں پہنچے جہاں شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر بتائی جاتی ہے۔ یہ قبر ایک گنجان آبادی کے درمیان واقع ہے، اور آثار قدیمہ کے لوگوں نے بتایا کہ اس قبر پر ایک بہت پرانا لتبہ لگا ہوا تھا جس پر شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کا نام لکھا ہوا تھا۔ آثار قدیمہ کے لوگ اسے روس لے گئے تھے۔ ہم جب اس قبر کے پاس پہنچے تو شہر کی انتظامیہ کے کچھ اعلیٰ افسر ہمارے ساتھ تھے۔ انہوں نے بتایا کہ جب ہمیں صاحب قبر کی اہمیت اور عظمت کا علم ہوا تو ہم نے یہاں اس قبر کے قریب ایک مسجد اور مدرسہ تعمیر کرنے کا ارادہ کیا، لیکن یہ پورا علاقہ مکانات کی گنجان آبادی سے گھرا ہوا تھا، اور یہاں کے لوگ کہیں اور منتقل ہونے کو تیار نہیں تھے، لیکن جب انہیں بتایا

گیا کہ یہاں ایک بہت بڑے عالم کی یادگار کے طور پر ایک مسجد و مدرسہ تعمیر کرنے کا ارادہ ہے تو یہاں کے مکین اپنی جگہ مناسب قیمت پر چھوڑنے کیلئے تیار ہوگئے۔ یہاں مجوزہ مسجد اور مدرسہ کا نقشہ بھی لگا ہوا تھا۔ اس نقشے سے یہ بات ظاہر ہوتی تھی کہ قبر کو بھی پختہ کر کے اُس پر گنبد بنانے کا ارادہ ہے۔ میں نے انتظامیہ کے لوگوں سے کہا کہ قبر کو پختہ بنانا اور اُس پر گنبد تعمیر کرنا درست نہیں ہے، اور خود علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ اس کو ہرگز پسند نہ کرتے، اس لئے نقشے میں یہ تبدیلی کرنی چاہئے۔ انہوں نے اس پر غور کرنے کا وعدہ تو کیا، لیکن معلوم نہیں وہ کس حد تک اس پر عمل کر پائیں گے۔

امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ اور کنویں میں مبسوط کی تالیف

شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۴۳۸ھ) کا پورا نام محمد بن احمد ابوبکر سرخسی ہے، وہ پانچویں صدی کے ان علماء میں سے ہیں جنہیں آیۃ من آیات اللہ کہنا چاہئے۔ اصل میں تو وہ خراسان کی ایک بستی سرخس کی طرف منسوب ہیں، لیکن شاید حصول علم کیلئے فرغانہ کے اس علاقے میں آئے ہونگے۔ انہوں نے حاکم وقت کی مرضی کے خلاف کوئی فتویٰ دیا، یا کوئی بات بطور نصیحت کہی جس کی پاداش میں حاکم وقت خاقان نے انہیں ایک کنویں نما گڑھے میں قید کر دیا۔ وہ بات کیا تھی جس پر حاکم وقت نے انہیں اتنی سخت سزا دی؟ اس کی تفصیل کسی مستند ذریعے سے معلوم نہیں ہوسکی۔ ڈاکٹر صلاح الدین منجد نے شرح السیر الکبیر کے مقدمے میں ایک وجہ بیان کی ہے کہ خاقان نے اپنی ایک کنیز کو آزاد کر کے عدت سے پہلے ہی اس سے نکاح کر لیا تھا۔ امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر اعتراض کیا تھا۔ مگر اس کا کوئی حوالہ انہوں نے نہیں دیا، اور اس سے ملتا جلتا ایک واقعہ ان کی رہائی کے بعد کا مستند تذکروں میں ملتا ہے، ہوسکتا ہے کہ کسی کو اس سے اشتباہ ہوگیا ہو۔ وجہ کوئی بھی ہو، حاکم وقت نے انہیں کسی حق کے کلمے کی پاداش میں اس سخت آزمائش میں مبتلا کر دیا تھا کہ وہ سالہا سال کیلئے ایک کنویں نما گڑھے میں قید کر دیئے گئے جہاں انکے لئے چلنا پھرنا بھی ممکن نہیں تھا۔ امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے مبسوط کی کتاب السیر کے آخر میں یہ بات لکھی ہے کہ انہیں ایک حق کے کلمے کی وجہ سے قید کیا گیا تھا، لیکن اس کی تفصیل بیان نہیں فرمائی۔ (ان کی عبارت آگے آرہی ہے)

ظاہر ہے کہ ان کے شاگردوں کو اس واقعے سے کتنا دکھ ہوا ہوگا، انہوں نے اپنے استاذ کی دل بستگی کیلئے درخواست کی کہ ہم روزانہ اس کنویں کے منہ پر آجایا کریں گے، آپ ہمیں کچھ املا کرا دیا

کریں۔ علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ پہلے سے چاہتے تھے کہ امام حاکم شہید رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الکافی کی شرح لکھیں۔ چنانچہ انہوں نے اسی کنویں سے اپنی عظیم کتاب ''المبسوط'' املا کرانی شروع کی، اور علم کی تاریخ کا یہ منفرد شاہکار اوزجند کے ایک کنویں نما قید خانے میں اس طرح وجود میں آیا کہ تیس ضخیم جلدوں کی یہ کتاب کنویں سے بول بول کر کنویں کے منہ پر بیٹھے ہوئے شاگردوں کو لکھوائی گئی۔ کتاب کے مقدمے میں خود شمس الأئمہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

''فرأيت الصواب في تأليف شرح المختصر لا أزيد على المعنى المؤثر في بيان كل مسألة اكتفاء بما هو المعتمد في كل باب وقد انضم إلى ذلك سؤال بعض الخواص من أصحابي زمن حبسي حين ساعدوني لأنسي أن أملي عليهم ذلك فأجبتهم إليه.'' (المبسوط ص ٥ ج ١)

''میں نے یہ مناسب سمجھا کہ مختصر (حاکم) کی ایک شرح لکھوں، جس میں ہر مسئلے کے بارے میں راجح بات پر کوئی اضافہ نہ کروں، اور ہر باب میں صرف وہ حکم بیان کروں جو قابل اعتماد ہو۔ اس پر مزید اضافہ یہ ہوا کہ میرے ساتھیوں میں سے کچھ خاص لوگوں نے میری قید کے زمانے میں مجھ سے اس کی فرمائش بھی کی، اور میری انسیت کی خاطر میری یہ مدد کی کہ میں انہیں یہ شرح املا کرادیا کروں، چنانچہ میں نے ان کی اس فرمائش کو قبول کیا۔''

چنانچہ جن شاگردوں نے یہ شرح لکھنی شروع کی، ان کا یہ جملہ کتاب کے بالکل شروع میں موجود ہے کہ:

قَالَ الْإِمَامُ الْأَجَلُّ الزَّاهِدُ شَمْسُ الْأَئِمَّةِ أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي سَهْلٍ السَّرَخْسِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ وَنَوَّرَ ضَرِيحَهُ وَهُوَ فِي الْحَبْسِ بِأُوزَجَنْدَ إِمْلَاءً:

''امام اجل شمس الائمہ ابوبکر سرخسی رحمہ اللہ نے اوزجند میں قید ہونے کی حالت میں فرمایا:

پھر امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کے تقریباً تمام تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ وہ کنویں سے جو املا کراتے تھے، وہ خالص اپنی یادداشت کی بنیاد پر املا کراتے تھے، کسی کتاب کی مدد انہیں حاصل نہیں تھی۔ اور یہ بات ظاہر بھی ہے کہ کنویں میں قید ہونے کی حالت میں دوسری کتابوں سے باقاعدہ استفادہ بظاہر ممکن نہیں تھا۔ جن حضرات نے مبسوط سے استفادہ کیا ہے، وہ اس کرامت کا صحیح اندازہ کرسکتے ہیں کہ اتنی تحقیقی

کتاب جو بعد والوں کیلئے فقہ حنفی کا مستند مأخذ بن گئی، کس طرح تمام تر حافظے سے لکھوائی گئی ہے۔ یہ حقیقت ذہن نشین ہو تو اس روایت کی صحت کا اندازہ ہوسکتا ہے جو متعدد تذکرہ نگاروں نے نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ وہ اپنے درس کے حلقے میں بیٹھے ہوئے تھے، کسی نے کہا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے کہ ان کو تین سو کُرّاسے (یعنی کاپیاں) حفظ یاد تھیں۔ اس پر امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "حفظ الشافعی زکوۃ محفوظی" یعنی مجھے جتنا یاد ہے، امام شافعی کو اس کی زکوۃ یاد تھی۔" (الجواھر المضیئۃ للقرشی، ج۳ ص۸۰) جس کا مطلب یہ ہوا کہ علامہ سرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے تقریباً چالیس گنا زیادہ باتیں یاد تھیں، اور انہوں نے جس حالت میں جس طرح مبسوط لکھوائی ہے، اُس کے پیش نظر یہ بات کچھ زیادہ بعید معلوم نہیں ہوتی ایک کنویں یا گڑھے میں بند ہونے کی حالت میں اس عظیم شخصیت پر کیا گذرتی ہوگی؟ اس کا اندازہ بھی ہمارے لئے مشکل ہے، اور خود انہوں نے مبسوط کی تالیف کے دوران مختلف ابواب کے آخر میں اپنی حالت کا بڑے پُر درد الفاظ میں ذکر فرمایا ہے، چنانچہ عبادات کے مسائل چار جلدوں میں لکھوانے کے بعد کتاب المناسک (حج) کے آخر میں وہ فرماتے ہیں:

> هذا آخر شرح العبادات بأوضح المعانی وأوجز العبارات أملاه المحبوس عن الجُمَع والجماعات، مصلیا علی سید السادات، محمد المبعوث بالرسالات، وعلی أهله من المؤمنین والمؤمنات۔ تم کتاب المناسك ولله المنة وله الحمد الدائم الذی لا یفنی أمده ولا ینقضی عدده. (مبسوط ج٤ ص ٣٤٨)

> "یہ واضح ترین مضامین اور مختصر ترین عبارت میں عبادات کی شرح کا آخری حصہ ہے جسے ایک ایسے شخص نے املا کرایا ہے جو اس طرح قید میں ہے کہ نہ جمعہ میں حاضری دے سکتا ہے، نہ جماعت سے نماز پڑھ سکتا ہے، (البتہ) سید السادات جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو اللہ تعالیٰ کے پیغامات لیکر مبعوث ہوئے تھے، ان پر اور جو مؤمن مرد اور عورتیں آپ کے اہل میں داخل ہیں، ان پر درود بھیجتے ہوئے اس حصے کو لکھوایا ہے۔ (اس طرح) کتاب الحج اللہ تعالیٰ کے احسان سے پوری ہوگئی ہے۔ بے شمار ابدی تعریفیں اسی کی ہیں جن کی کوئی انتہا نہیں۔"

اس عبارت میں اس دلی حسرت کا انتہائی مؤثر اظہار ہے کہ چار ضخیم جلدوں میں نماز اور دوسری عبادتوں کے احکام ایسی حالت میں لکھوائے گئے ہیں جب خود مؤلف جماعت سے نماز پڑھنا تو کجا، جمعہ

میں حاضر ہونے سے بھی محروم ہیں۔لیکن آزمائش کی حالت میں یہ عظیم خدمت انجام دینے پر اللہ تعالیٰ نے انہیں جمعہ اور جماعت کے ثواب سے بھی نہ جانے کتنا زیادہ نوازا ہوگا۔اعلی اللہ تعالی درجاتہ۔

اور پانچویں جلد میں کتاب النکاح کے ختم پر فرماتے ہیں :

هذا آخر شرح كتاب النكاح بالمأثور من المعانى والآثار الصحاح أملاه المنتظر للفرج والفلاح مصليا على المبعوث بالحق بالسيوف والرماح وعلى آله وأصحابه أهل التقى والصلاح الذين مهدوا قواعد الحق وسلكوا طريق النجاح .(ج۵ ص ۵۱۲)

''نکاح کے بارے میں جو مضامین صحیح روایتوں پر مبنی ہیں، یہ ان کا آخری حصہ ہے جسے ایک رہائی اور کامیابی کے منتظر شخص نے اس حالت میں املا کرایا ہے کہ وہ اُس ذات (صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود بھیجتا ہے جسے حق دیکر نیزہ وتلوار کے ساتھ بھیجا گیا تھا، اور اُن کے آل واصحاب پر جو صلاح وتقویٰ کے حامل تھے، جنہوں نے حق کی راہیں ہموار کیں، اور کامیابی کے راستے پر چلے۔''

پھر ساتویں جلد میں کتاب الطلاق کے ختم پر فرماتے ہیں :

هذا آخر شرح كتاب الطلاق بالمؤثرة من المعانى الدقاق أملاه المحصور عن الانطلاق المبتلى بوحشة الفراق مصليا على صاحب البراق وآله وصحبه أهل الخير والسباق صلاة تتضاعف وتدوم إلى يوم التلاق كتبه العبد البرى من النفاق .(ج۷ ص۱۰۷)

''یہ کتاب الطلاق کی شرح کا آخری حصہ ہے جس میں دقیق مضامین میں سے قابل ترجیح مسائل درج کئے گئے ہیں۔ اسے ایک ایسے شخص نے لکھوایا ہے جو اس طرح مقید ہے کہ چل پھر نہیں سکتا، اور (عزیزوں دوستوں کی) جدائی کی وحشت میں مبتلا ہے۔ وہ صاحب براق صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے آل واصحاب پر جو بھلائیوں میں ایک دوسرے سے بڑھ کر تھے، ایسا درود بھیجتا ہے جو قیامت کے دن تک دوگنا چوگنا ہوتا رہے۔ اسے ایک ایسے بندے نے لکھا ہے جو نفاق سے براءت کا اظہار کرتا ہے۔''

پھر آٹھویں جلد میں کتاب الولاء کے ختم پر فرماتے ہیں :

انتهى شرح كتاب الولاء بطريق الإملاء من الممتحن بأنواع البلاء يسأل من الله

تعالی تبدیل البلاء والجلاء بالعز والعلاء فإن ذلك علیه یسیر وهو علی ما یشاء قدیر وصلی الله علی سیدنا محمد وعلی آله وأصحابه الطاهرین .(ج ۸ ص ۲۲۳)

''یہاں کتاب الولاء کی شرح اختتام کو پہنچی جو ایک ایسے شخص نے لکھوائی ہے جو کئی طرح کی آزمائشوں میں مبتلا ہے، اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے کہ اس آزمائش اور جلاوطنی کو عزت اور سربلندی سے تبدیل فرمادے، کیونکہ یہ اس کے لئے بہت آسان ہے، اور وہ ہر اُس چیز پر قادر ہے جو اس کی مشیت کے مطابق ہو۔ وصلی الله علی سیدنا محمد وعلی آله وأصحابه الطاهرین''۔

اس کے بعد بارہویں جلد میں کتاب الجہاد والسیر کے خاتمے پر فرماتے ہیں :

انْتَهَى شَرْحُ السِّيَرِ الصَّغِيرِ الْمُشْتَمِلِ عَلَى مَعْنًى أَثِيرٍ بِإِمْلَاءِ الْمُتَكَلِّمِ بِالْحَقِّ الْمُنِيرِ الْمَحْصُورِ لِأَجْلِهِ شِبْهُ الْأَسِيرِ الْمُنْتَظِرِ لِلْفَرَجِ مِنَ الْعَالِمِ الْقَدِيرِ السَّمِيعِ الْبَصِيرِ الْمُصَلِّي عَلَى الْبَشِيرِ الشَّفِيعِ لِأُمَّتِهِ النَّذِيرِ، وَعَلَى كُلِّ صَاحِبٍ لَهُ وَوَزِيرٍ، وَاللَّهُ هُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِير. (ج۱۲ ص ۳۵٤)

''صغیر کی شرح اختتام کو پہنچی جو منقول معانی پر مشتمل ہے، اور ایسے شخص نے املا کرائی ہے جس نے ایک واضح حق کا کلمہ کہا تھا جس کی وجہ سے اُسے قیدی کی طرح بند کردیا گیا، اور وہ اللہ تعالیٰ سے جو ہر چیز جاننے والا، ہر بات سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے، رہائی کا منتظر ہے، اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان کے ہر صحابی اور مددگار پر درود بھیجتا ہے جو اپنی امت کو خوشخبری دینے والے، ان کی شفاعت کرنے والے، اور خبردار کرنے والے ہیں، اور اللہ تعالیٰ لطف فرمانے والے، ہر چیز سے باخبر ہیں۔''

اسی طرح مبسوط کے کچھ نسخوں کی اٹھارویں جلد میں کتاب الاقرار کے ختم پر یہ عبارت بھی موجود ہے:

''انتهى شرح كتاب الإقرار، المشتمل من المعاني ماهو سرّ الأسرار، أملاه المحبوس في موضع الأشرار، مصلّيا على النبي المختار۔''

''کتاب الاقرار کی شرح پوری ہوئی، جو حقائق واسرار کے مضامین پر مشتمل ہے، اُسے ایسے شخص نے نبی مختار صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہوئے املا کرایا ہے جو برے لوگوں کے مقام پر قید ہے۔''

اکثر تذکرہ نگاروں کے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے پوری مبسوط قید ہی کی حالت میں

لکھی ہے۔ البتہ چونکہ پرانے تذکرہ نگاروں نے پندرہ جلدوں کا ذکر کیا ہے، اور موجودہ مطبوعہ نسخہ تیس جلدوں میں چھپا ہے، اس لئے بعض حضرات یہ سمجھے کہ انہوں نے آدھی کتاب قید میں اور باقی آدھی رہائی کے بعد لکھی ہے۔ لیکن تحقیق سے یہ معلوم ہوتا ہے، واللہ اعلم، کہ کتاب کو تیس جلدوں میں تو بعد میں تقسیم کیا گیا، ابتدا میں جو مسودہ تیار ہوا تھا، وہ پندرہ جلدوں ہی میں تھا، اور پوری کتاب قید ہی میں لکھوائی گئی ہے جس کی واضح دلیل یہ ہے کہ تیسویں جلد میں کتاب الرضاع کے شروع میں یہ عبارت ہے:

"قال الشيخ الإمام الأ جل الزاهد شمس الأئمة فخر الإسلام أبوبكر محمد بن أبی سهل السرخسی إملاء يوم الخميس الثانی عشر من جمادی الآخرة سنة سبع وسبعين وأربعمائة" (المبسوط ج ۳۰ ص ۲۸۷)

جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کتاب الرضاع کا آغاز ۱۲ جمادی الآخرۃ ۴۷۷ھ میں ہوا تھا۔ دوسری طرف "اُصول السرخسی" کے مقدمے سے معلوم ہوتا ہے کہ امام سرخسی شوال ۴۷۹ھ تک قید میں تھے، اور اسی وقت انہوں نے اصول السرخسی کی تالیف شروع فرمائی (عبارت آگے آرہی ہے) مبسوط کی کتاب الرضاع سے کتاب کے آخر تک کل سولہ صفحات ہیں، اور جمادی الآخرۃ ۴۷۷ھ سے شوال ۴۷۹ھ تک تقریباً سوا دو سال کا فاصلہ ہے، اور ظاہر یہ ہے کہ یہ سولہ صفحات ۴۷۷ھ میں ہی مکمل ہو گئے ہوں گے، اور اس طرح پوری کتاب جس کے کل مطبوعہ صفحات کی تعداد چھ ہزار تین سو تینتیس ہے، اسی قید کی حالت میں لکھوائی گئی ہے جس میں دوسری کتابوں سے باقاعدہ مراجعت کا امکان نہیں تھا۔ (کہیں انتہائی ضرورت کے وقت جزوی طور پر کسی کتاب سے رجوع کیا گیا ہو تو بات اور ہے۔) اور موضوع بھی کوئی عام واقعات کا سیدھا سادہ موضوع نہیں تھا جس میں غور و خوض اور کتابیں دیکھنے کی ضرورت نہ ہو، بلکہ یہ فقہ کے انتہائی دقیق اور مشکل مباحث پر مشتمل کتاب ہے۔ اور اُس کے بعد سے علماء وفقہاء اس کتاب کو صدیوں پڑھتے رہے ہیں، لیکن کسی نے یہ نہیں کہا کہ اس قید کی حالت میں حافظے کی بنیاد پر کتاب لکھوانے کی وجہ سے فلاں جگہ غلطی ہوگئی ہے۔ اس کے بجائے اس کتاب کو فقہ حنفی کے مستند مآخذ میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہ ایسی بات ہے جس کی کوئی مثال کسی اور قانون کی کتاب یا مصنف کی زندگی میں نہیں ملتی۔

صرف یہی نہیں، امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری مشہور کتاب شرح السیر الکبیر ہے جو جنگ اور بین الاقوامی تعلقات کے اسلامی قوانین پر مستند مأخذ کی حیثیت رکھتی ہے، یہ پانچ جلدوں میں چھپی ہوئی موجود ہے، اور شاید اُس وقت تک اس موضوع پر اتنی مفصل کتاب کوئی اور نہیں تھی۔ تذکرہ نگاروں نے لکھا

ہے کہ یہ کتاب بھی انہوں نے قید ہی کی حالت میں لکھوائی ہے۔ کتاب کے موجودہ نسخوں میں اس کتاب کے اندر کوئی عبارت مجھے ایسی نہیں ملی جس سے معلوم ہوتا ہو کہ یہ کتاب بھی قید میں لکھی گئی ہے، لیکن حاجی خلیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کے آخر میں امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ جملہ لکھا ہے:

"انتهى إملاء العبد الفقير المبتلى بالهجرة الحصير المحبوس من جهة السلطان الخطير بإغراء كل زنديق حقير وكان الافتتاح: بأوزجند فى آخر أيام المحنة، والتمام عند ذهاب الظلام بمرغينان فى جمادى الأولى سنة، ثمانين وأربعمائة".
(كشف الظنون ۲:۱۰۱۳)

"اس کتاب کو لکھوانے کا سلسلہ اُس محتاج بندے کی طرف سے مکمل ہوا جو کسی ذلیل زندیق کے کہنے پر خطرناک بادشاہ کی طرف سے جلاوطنی اور قید میں مبتلا تھا۔ اور اس (کتاب) کا آغاز اوزجند میں آزمائش کے آخری دنوں میں ہوا تھا، اور تکمیل جمادی الاولیٰ ۴۸۰ھ میں مرغینان میں اُس وقت ہوئی جب اندھیرا چھٹ چکا تھا۔"

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حاجی خلیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نسخے میں یہ جملہ موجود تھا جو بعد کے نسخوں میں حذف ہوگیا، لیکن اپنے اسلوب کے لحاظ سے یہ جملہ ان جملوں سے واضح مطابقت رکھتا ہے جو مبسوط کے کئی ابواب سے اوپر نقل کئے گئے ہیں۔

پھر امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک اور کتاب اصول فقہ کے موضوع پر ہے جو "المحرر فی اصول الفقہ" یا "اصول السرخسی" کے نام سے مشہور ہے۔ تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ اس کتاب کی تالیف بھی اسی قید میں ہوئی ہے، اور اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ کتاب کے شروع میں یہ عبارت آج بھی موجود ہے:

"قال الإمام الأجل الزاهدشمس الأئمة أبوبكر محمد بن أبى سهل السرخسى إملاء فى يوم السبت سلخ شوال سنة تسع وسبعين وأربعمائة فى زاوية من حصار أوزجند" (اصول السرخسی، طبع بیروت، ص ٤)

اس عبارت سے واضح ہے کہ یہ کتاب بھی امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے اوزجند کے قید خانے میں شوال ۴۷۹ھ میں لکھوانی شروع کی تھی۔

ان تمام باتوں کو ملانے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مبسوط تو پوری کی پوری قید میں لکھوائی گئی، اور بظاہر اس کی تکمیل ۴۷۷ھ میں ہوگئی تھی۔ اس کے بعد بھی دو سال سے کچھ زیادہ مدت تک امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ قید میں رہے، اور اسی حالت میں دو مزید کتابوں کی تالیف شروع فرمادی، ایک شرح السیر الکبیر اور دوسرے اصول السرخسی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کی تالیف ساتھ ساتھ جاری تھی۔ پھر صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے کہ جب اصول السرخسی کے باب الشروط پر پہنچے تو قید سے رہائی ملی، (کشف الظنون ج ۱ ص ۸۱) اس طرح ان دونوں کتابوں کا باقی حصہ مرغینان میں جاکر مکمل فرمایا، جیسا کہ شرح السیر الکبیر کے آخری جملے سے معلوم ہوتا ہے جو حاجی خلیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے پیچھے گذر چکا ہے۔ اصول السرخسی میں باب الشروط کے نام سے کوئی باب نہیں ہے، البتہ ایک فصل "فصل الشرط" کے نام سے موجود ہے۔ شاید حاجی خلیفہ کی مراد وہی ہو، لیکن بعض حضرات نے اس سے مبسوط کی کتاب الشروط سمجھ کر جو یہ کہا ہے کہ وہاں پہنچ کر انہیں آزادی مل گئی تھی، بظاہر وہ بات درست نہیں ہے، اس لئے کہ کتاب الرضاع جس کے شروع کی عبارت اوپر نقل کی گئی ہے، وہ کتاب الشروط کے بہت بعد ہے۔ اور کتاب الرضاع کا آغاز یقیناً قید میں ہوا تھا، جیسا کہ اوپر تحقیق کی گئی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عظمت تو اُس وقت سے دل میں تھی جب سے بچپن میں اپنے والد ماجد قدس سرہ سے مبسوط کی تالیف کا حال سنا تھا، لیکن آج میں ان کے اسی شہر میں کھڑا تھا جہاں انہوں نے یہ محیر العقول کارنامہ انجام دیا جسے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کا معجزہ ہی کہا جاسکتا ہے۔ آج نہ اُس گڑھے یا کنویں کا کوئی نام ونشان موجود ہے جہاں انہوں نے سالہا سال انتہائی صبر آزما وقت گذارا، نہ اُس حاکم سے کوئی واقف ہے جس نے تکبر اور رعونت کے عالم میں ایسے مقدس شخص کو اتنی بربریت کے ساتھ قید کیا، لیکن سرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ کا نام زندہ وپائندہ ہے، اور انشاء اللہ قیامت تک اُسے خراج تحسین پیش کیا جاتا رہے گا، اور لوگ ان کیلئے رحمت کی دعائیں کرتے رہیں گے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ وجزاہ عن الامۃ الاسلامیۃ احسن الجزاء۔

اوزجند کے شہر میں مجھے صرف چند گھنٹے ملے، لیکن تصور کی نگاہیں یہاں علم وفضل اور عظمت کردار کے وہ پہاڑ دیکھتی رہیں جن کی خدمات سے آج پوری علمی دنیا سیراب ہو رہی ہے۔

امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر سلام عرض کرنے اور ایصال ثواب کے بعد مختار صاحب کے دوست ہمیں اپنے گھر لے گئے جہاں کچھ دیر سوال و جواب کی نشست رہی۔ پھر یہاں کی مرکزی جامع مسجد میں میرا مختصر خطاب بھی ہوا جہاں دیر سے لوگ منتظر بیٹھے تھے۔ تقریر کا ترجمہ مختار صاحب نے کرغیزی زبان میں کیا۔ ایک بج کر پچیس منٹ پر ہم مسجد سے نکلے۔ اوش سے ہمیں جس جہاز پر سوار ہونا تھا، اس کی روانگی کا وقت دو بج کر دس منٹ تھا، اور ہمیں یہاں سے پینتالیس کیلو میٹر کا سفر کر کے اوش کے ہوائی اڈے پر پہنچنا تھا۔ لیکن جو صاحب گاڑی چلا رہے تھے، انہوں نے انتہائی مہارت کے ساتھ گاڑی چلائی، اوش شہر میں چونکہ ٹریفک زیادہ ہونے کا امکان تھا، اس لئے ایک لمبا راستہ اختیار کیا جس سے پینتالیس کیلومیٹر کی مسافت اور زیادہ بڑھ گئی، لیکن جب ہم ہوائی اڈے میں داخل ہوئے تو دو بج رہے تھے، اور وی آئی پی لاؤنج کا عملہ ہمارا بورڈنگ پاس لئے دروازے پر کھڑا تھا۔ وہ ہمیں سیدھا جہاز پر لے گیا، اور جب ہم تین بجے بشکیک کے ہوائی اڈے پر اترے تو سات گھنٹے میں تقریباً تیرہ سو کیلومیٹر کا یہ طوفانی سفر ایک خواب معلوم ہو رہا تھا۔

بشکیک میں ایک پاکستانی تاجر جناب صدیق صاحب کا ایک پاکستانی ریسٹورنٹ ہے، وہ ثمر صاحب کے مکان پر پاکستانی کھانا لیکر آ گئے تھے جس سے ہم محظوظ ہوئے، اور وہاں جمع ہو جانے والے دوسرے احباب سے بھی ملاقات رہی۔ سات بجے شام ہماری اسلام آباد کیلئے پرواز تھی۔ میرے رفیق سفر جناب جاوید ہزاروی صاحب نے یہ کرم فرمایا کہ سامان وغیرہ لیکر وہ پہلے چلے گئے، اور ثمر صاحب کے مکان پر مجھے آرام کا موقع مل گیا، اور جب مغرب کے وقت میں ہوائی اڈے پہنچا تو ایئر پورٹ کے سارے مراحل طے ہو چکے تھے۔ سات بجے ہم جہاز میں سوار ہو کر ڈھائی گھنٹے میں اسلام آباد پہنچے، اور وہاں سے رات گیارہ بجے روانہ ہو کر ایک بجے شب بفضلہٖ تعالیٰ بعافیت کراچی پہنچ گئے۔

اگرچہ بیماری کی وجہ سے کئی کام جو سوچے تھے، وہ اس سفر میں نہ ہو سکے، لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایک ہفتے کا یہ سفر بہت سی جہتوں سے میرے حق میں بہت مفید ثابت ہوا۔

وَالحمد للہ تعالی اولاً و آخراً۔

☆☆☆

شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم
شیخ الحدیث جامعہ دارالعلوم کراچی

کے گرانقدر اور زندگی کا نچوڑ اہم موضوعات کیسٹوں کی شکل میں

☆ درس بخاری شریف (مکمل) 300 کیسٹوں میں
☆ کتاب البیوع درس بخاری شریف عصر حاضر کے جدید مسائل (معاملات) پر سیر حاصل بحث
☆ **أصول افتاء للعلماء والمتخصصین** 6 کیسٹوں میں
☆ دورۂ اقتصادیات 20 کیسٹوں میں
☆ دورۂ اسلامی بینکاری 5 کیسٹوں میں
☆ دورۂ اسلامی سیاست 15 کیسٹوں میں
☆ تقریب تکملہ فتح الملہم 1 عدد
☆ علماء اور دینی مدارس (بموقع ختم بخاری 1415ھ) 1 عدد
☆ جہاد اور تبلیغ کا دائرہ کار
☆ افتتاح بخاری شریف کے موقع پر تقریر دل پذیر
☆ زائرین حرمین کے لئے ہدایات
☆ زکوۃ کی فضیلت واہمیت
☆ والدین کے ساتھ حسن سلوک 3 کیسٹوں میں
☆ امت مسلمہ کی بیداری
☆ جوش وغضب، حرص طعام، حسد، کینہ اور بغض، دنیائے مذموم، فاستبقوا الخیرات، عشق عقلی وعشق طبعی، حب جاہ وغیرہ اصلاحی بیانات اور ہر سال کا ماہ رمضان المبارک کا بیان۔
☆ اصلاحی بیانات۔ بمقام جامعہ دارالعلوم کراچی، تسلسل نمبر 1 تا 300 کیسٹوں میں 1430ھ تک۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

معارف القرآن

کفار و منافقین کی خصلتوں کی مذمت

سورۃ الماعون ...... ☆ ...... آیت نمبر: ۱ تا ۷

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَرَءَیۡتَ الَّذِیۡ یُکَذِّبُ بِالدِّیۡنِ ؕ فَذٰلِکَ الَّذِیۡ یَدُعُّ الۡیَتِیۡمَ ۙ وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الۡمِسۡکِیۡنِ ؕ فَوَیۡلٌ لِّلۡمُصَلِّیۡنَ ۙ الَّذِیۡنَ ہُمۡ عَنۡ صَلَاتِہِمۡ سَاہُوۡنَ ۙ الَّذِیۡنَ ہُمۡ یُرَآءُوۡنَ ۙ وَیَمۡنَعُوۡنَ الۡمَاعُوۡنَ ٪

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے۔
تو نے دیکھا اُس کو جو جھٹلاتا ہے انصاف ہونے کو، سو یہ وہی ہے جو دھکے دیتا ہے یتیم کو، اور نہیں تاکید کرتا محتاج کے کھانے پر، پھر خرابی ہے اُن نمازیوں کی جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں، وہ جو دکھلاوا کرتے ہیں، اور مانگی نہ دیویں برتنے کی چیز۔

خلاصۂ تفسیر

کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جو روزِ جزاء کو جھٹلاتا ہے سو (آپ اس کا حال سننا چاہیں تو سنئے کہ) وہ شخص وہ ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور محتاج کو کھانا دینے کی (دوسروں کو بھی) ترغیب نہیں دیتا (یعنی وہ ایسا سنگدل ہے کہ خود تو وہ کسی غریب کو کیا دیتا دوسروں کو بھی اس پر آمادہ نہیں کرتا۔ اور جب بندوں کا حق ضائع کرنا ایسا برا ہے تو خالق کا حق ضائع کرنا تو اور زیادہ برا ہے) سو (اس سے ثابت ہوا کہ) ایسے نمازیوں کے لئے بڑی خرابی ہے جو اپنی نماز کو بھلا بیٹھتے ہیں (یعنی ترک کر دیتے ہیں) جو ایسے ہیں کہ (جب نماز پڑھتے ہیں تو) ریاکاری کرتے ہیں اور زکوۃ بالکل نہیں دیتے (کیونکہ زکوۃ کیلئے شرعاً یہ ضروری نہیں کہ سب کے سامنے ظاہر کر کے دے اس لئے اس کو بالکل نہ

دینے سے بھی کوئی اعتراض نہیں کرسکتا بخلاف نماز کے وہ جماعت کے ساتھ علانیہ ادا کی جاتی ہے اس کو بالکل چھوڑ دے تو سب پر نفاق ظاہر ہو جائے اس لئے نماز کو محض دکھلا دے کیلئے پڑھ لیتا ہے)۔

معارف و مسائل

اس سورۃ میں کفار و منافقین کے بعض افعالِ قبیحہ مذمومہ کا ذکر اور اُن پر جہنم کی وعید ہے، یہ افعال اگر کسی مومن سے سرزد ہوں جو تکذیب نہیں کرتا وہ بھی اگرچہ شرعاً مذموم اور سخت گناہ ہیں مگر وعید مذکور اُن پر نہیں ہے اسی لئے ان افعال و اعمال سے پہلے ذکر اُس شخص کا فرمایا ہے جو دین اور قیامت کا منکر ہے اس کی تکذیب کرتا ہے اس میں اشارہ اس طرف ضرور ہے کہ یہ اعمال جن کا ذکر آگے رہا ہے مؤمن کی شان سے بعید ہیں وہ کوئی منکر کافر ہی کرسکتا ہے، وہ اعمال قبیحہ جن کا اس جگہ ذکر اس سورۃ میں فرمایا ہے یہ ہیں: (۱) یتیم کے ساتھ بدسلوکی اور اس کی توہین۔ (۲) مسکین محتاج کو باوجود قدرت کے کھانا نہ دینا اور دوسروں کو اس کی ترغیب نہ دینا، نماز پڑھنے میں ریاکاری کرنا، زکوٰۃ ادا نہ کرنا۔

یہ سب افعال اپنی ذات میں بھی بہت مذموم اور سخت گناہ ہیں اور جب کفر و تکذیب کے نتیجہ میں یہ افعال سرزد ہوں تو ان کا وبال دائمی جہنم ہے جیسا کہ اس سورۃ میں اس کو وَیۡل کے الفاظ سے بیان فرمایا ہے۔

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ. الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ. الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ. یہ حال منافقین کا بیان فرمایا ہے جو لوگوں کو دکھلانے اور اپنے دعوائے اسلام کو ثابت کرنے کیلئے نماز تو پڑھتے ہیں مگر چونکہ وہ نماز کی فرضیت ہی کے معتقد نہیں اس لئے نہ اوقات کی پابندی کرتے ہیں نہ اصل نماز کی، جہاں دکھلانے کا موقع ہوا پڑھ لی، ورنہ ترک کردی عَنْ صَلَاتِهِمْ میں لفظ عَنْ کا مفہوم یہی ہے کہ اصل نماز ہی سے بے پروائی اختیار کرے جو منافقین کی عادت ہے، اور نماز کے اندر کچھ سہو و نسیان ہو جانا جس سے کوئی مسلمان یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی خالی نہیں وہ اس کلمہ کی مراد نہیں ہے کیونکہ اُس پر وعید ویل جہنم کی نہیں ہوسکتی، اور اگر یہ مراد ہوتی تو عَنْ صَلَاتِهِمْ کے بجائے فِیْ صَلَاتِهِمْ فرمایا جاتا، احادیث صحیحہ میں متعدد مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے نماز میں سہو واقع ہونا ثابت ہے، وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ، ماعون کے اصل لفظی معنی شیٔ قلیل و حقیر کے ہیں اس لئے ماعون ایسی استعمالی اشیاء کو کہا جاتا ہے جو عادۃً ایک دوسرے کو عاریۃً دی جاتی ہیں اور جن کا باہم لین دین عام انسانیت کا تقاضا سمجھا جاتا ہے جیسے کلہاڑی پھاوڑہ یا کھانے پکانے کے برتن جن کا ضرورت کے وقت

پڑوسیوں سے مانگ لینا کوئی عیب نہیں سمجھا جاتا اور جو اس میں دینے سے بخل کرے وہ بڑا کنجوس کمینہ سمجھا جاتا ہے، مگر آیت مذکورہ میں لفظ ماعون سے مراد زکوٰۃ ہے اور زکوٰۃ کو ماعون اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ مقدار کے اعتبار سے نسبۃً بہت قلیل ہے یعنی صرف چالیسواں حصہ، حضرت علیؓ، ابن عمرؓ، حسن بصریؒ، قتادہؒ، ضحاکؒ وغیرہ جمہور مفسرین نے اس آیت میں ماعون کی تفسیر زکوٰۃ ہی سے کی ہے (مظہری) اور اس کے نہ دینے پر جو عذاب ویل جہنم کا مذکور ہے وہ بھی ترک فرض ہی پر ہوسکتا ہے اشیاء استعمال کا دوسروں کو دینا بہت بڑا ثواب اور انسانیت و مروت کے لحاظ سے ضروری سہی مگر فرض وواجب نہیں جس کے روکنے پر جہنم کی وعید ہو، اور بعض روایات حدیث میں جو اس جگہ ماعون کی تفسیر استعمالی اشیاء اور برتنوں سے کی گئی ہے اس کا مطلب ان لوگوں کی انتہائی خست کا اظہار ہے کہ یہ زکوٰۃ تو کیا دیتے استعمالی اشیاء جن کے دینے میں اپنا کچھ خرچ نہیں ہوتا اس میں بھی کنجوسی کرتے ہیں، تو وعید صرف ان اشیاء کے نہ دینے پر نہیں بلکہ زکوٰۃ فرض کی عدم ادائیگی اور اس کے ساتھ مزید بخل شدید پر ہے۔ واللہ اعلم۔

فقہ المعاملات کی خصوصیات ﴿انعام الباری جلد ۶، ۷﴾

از: شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مد ظلہم العالی

معاملات کے میدان میں دین سے دوری کی وجہ

معاملات کے میدان میں دین سے دوری کی وجہ یہ تھی کہ چند سو سالوں سے مسلمانوں پر غیر ملکی اور غیر مسلم سیاسی اقتدار مسلط رہا اور اس غیر مسلم سیاسی اقتدار نے مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ اس بات کی تو اجازت دی کہ وہ اپنے عقائد پر قائم رہیں اور مسجدوں میں عبادات انجام دیتے رہیں، اپنی انفرادی زندگی میں عبادات کا اہتمام کریں لیکن زندگی میں تجارت (Business) و معیشت (Economy) کے جو عام کام ہیں وہ سارے کے سارے ان کے اپنے قوانین کے تحت چلائے گئے اور دین کے معاملات کے احکام کو زندگی سے خارج کر دیا گیا، چنانچہ مسجد و مدرسہ میں تو دین کا تذکرہ ہے لیکن بازاروں میں، حکومت کے ایوانوں میں اور انصاف کی عدالتوں میں دین کا ذکر اور اس کی کوئی فکر نہیں ہے۔

یہ سلسلہ اس وقت سے شروع ہوا جب سے مسلمانوں کا سیاسی اقتدار ختم ہوا اور غیر مسلموں نے اقتدار پر قبضہ کیا۔ چونکہ اسلام کے جو معاملات سے متعلق احکام ہیں وہ عمل میں نہیں آرہے تھے اور ان کا عملی چلن دنیا میں نہیں رہا اس لئے لوگوں کے دلوں میں ان کی اہمیت گھٹ گئی اور ان پر بحث و مباحثہ اور ان کے اندر تحقیق و استنباط کا میدان بھی بہت محدود ہو کر رہ گیا۔ لیکن اس وقت اللہ جل جلالہ کے فضل و کرم سے سارے عالم میں ایک شعور پیدا ہو رہا ہے اور وہ شعور یہ ہے کہ جس طرح ہم اپنی عبادتیں شریعت کے مطابق انجام دینا چاہتے ہیں اسی طرح اپنے معاملات کو بھی شریعت کے سانچے میں ڈھالیں، یہ قدرت کی طرف سے ایک شعور ہے جو ساری دنیا کے مسلمانوں میں رفتہ رفتہ پیدا ہونا شروع ہوا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بعض ایسے لوگ جن کی ظاہری شکل و صورت اور ظاہری وضع قطع کو دیکھ کر دور دور تک یہ گمان بھی نہیں ہوتا تھا کہ یہ متدین ہوں گے لیکن اللہ جل جلالہ نے ان کے دل میں حرام مال کی نفرت اور حلال مال کی طرف رغبت پیدا فرما دی۔

اب وہ اس فکر میں ہیں کہ کسی طرح ہمارے معاملات شریعت کے مطابق ہو جائیں وہ اس تلاش میں ہیں کہ کوئی ہماری رہنمائی کرے، لیکن اس میدان میں رہنمائی کرنے والے کم ہو گئے۔ ان کے مزاج و مزاق کو سمجھ کر ان کے معاملات اور اصطلاحات کو سمجھ کر جواب دینے والے بہت کم ہو گئے اس وقت ضرورت تو بہت بڑی ہے لیکن اس ضرورت کو پورا کرنے والے افراد بہت کم ہیں۔

اس لئے میں عرصہ دراز سے اس فکر میں ہوں کہ دینی مدارس کے تعلیمی نصاب میں "فقہ المعاملات" کو خصوصی اہمیت دی جائے، یہ بہت ہی اہمیت والا باب ہے اس لئے خیال یہ ہے کہ "کتاب البیوع" سے متعلقہ جو مسائل سامنے آئیں انہیں ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا جائے تا کہ کم از کم ان سے واقفیت ہو جائے۔ بہر حال انعام الباری جلد ۶، ۷ انہی اہم ابحاث پر مشتمل ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ماہِ محرم کی فضیلت اور اس کے احکام

چند سال پہلے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی میں ماہ محرم کے احکام و مسائل پر بصیرت افروز خطاب فرمایا تھا جو نذر قارئین ہے۔ (ادارہ)

یوں تو سال کے بارہ مہینے، اور ہر مہینے کے تیس دن اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے ہیں، لیکن اللہ جل شانہ، نے اپنے فضل و کرم سے پورے سال کے بعض ایام کو خصوصی فضیلت عطا فرمائی ہے، اور ان ایام میں کچھ مخصوص احکام مقرر فرمائے ہیں۔ محرم کا مہینہ بھی ایک ایسا مہینہ ہے جس کو قرآن کریم نے حرمت والا مہینہ قرار دیا ہے۔ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَاللّٰهِ اثْنٰیْ عَشَرَ شَهْرًا فِیْ کِتَابِ اللّٰهِ یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ. (التوبة: ٣٦) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتلا دیا کہ چار مہینے ایسے ہیں جو حرمت والے ہیں۔ ان میں سے ایک محرم کا مہینہ ہے۔

عاشوراء کا روزہ

خاص طور پر محرم کی دسویں تاریخ جس کو عام طور پر ''عاشوراء'' کہا جاتا ہے، جس کا معنی ہے ''دسواں دن'' یہ دن اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت و برکت کا حامل ہے۔ جب تک رمضان کے روزے فرض نہیں ہوئے تھے، اس وقت تک ''عاشوراء'' کا روزہ رکھنا مسلمانوں پر فرض قرار دیا گیا تھا۔ بعد میں جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو اس وقت عاشوراء کے روزے کی فرضیت منسوخ ہوگئی، لیکن حضور اقدس ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ مجھے اللہ جل شانہ کی رحمت سے یہ امید ہے کہ جو شخص عاشوراء کا روزہ رکھے گا تو وہ اس کے پچھلے ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہوجائے گا۔ عاشوراء کے روزے کی اتنی بڑی فضیلت آپ نے بیان فرمائی۔

''یوم عاشوراء'' ایک مقدس دن ہے

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ عاشوراء کے دن کی فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ اس دن نبی کریم ﷺ کے مقدس نواسے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا، اس شہادت کے پیش آنے کی وجہ سے عاشوراء کا دن مقدس اور حرمت والا بن گیا ہے۔ یہ بات صحیح نہیں۔ خود حضور اقدس ﷺ کے عہد مبارک

میں عاشوراء کا دن مقدس سمجھا جاتا تھا۔ اور آپ نے اس کے بارے میں احکام بیان فرمائے تھے۔ قرآن کریم نے اس کی حرمت کا اعلان فرمایا تھا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ تو حضور اقدس ﷺ کی وفات کے تقریباً ساٹھ سال بعد پیش آیا تھا۔ لہٰذا یہ بات درست نہیں کہ عاشوراء کی حرمت اس واقعہ کی وجہ سے ہے، بلکہ یہ تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مزید فضیلت کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شہادت کا مرتبہ اس دن عطا فرمایا جو پہلے ہی سے مقدس اور محترم چلا آرہا ہے، بہرحال عاشوراء کا دن ایک مقدس دن ہے۔

اس دن کی فضیلت کی وجوہ

اس دن کے مقدس ہونے کی وجہ کیا ہے؟ یہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں، کس دن کو اللہ تعالیٰ نے دوسرے دنوں پر کیوں فضیلت دی؟ اور اس دن کا کیا مرتبہ رکھا؟ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں، ہمیں اس کی تحقیق میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ بعض لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام دنیا میں اترے تو وہ عاشوراء کا دن تھا، اور جب نوح علیہ السلام کی کشتی طوفان کے بعد خشکی میں اتری تو وہ عاشوراء کا دن تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں ڈالا گیا اور اس آگ کو اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے گلزار بنادیا، وہ عاشوراء کا دن تھا، اور قیامت عاشوراء کے دن قائم ہوگی۔ یہ باتیں لوگوں میں مشہور ہیں لیکن ان کی کوئی اصل اور بنیاد نہیں۔ کوئی صحیح روایت ایسی نہیں ہے جو یہ بیان کرتی ہو کہ یہ واقعات عاشوراء کے دن پیش آئے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نجات ملی

صرف ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ فرعون سے ہوا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام دریا کے کنارے پہنچ چکے تھے، اور پیچھے فرعون کا لشکر آرہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنی لاٹھی دریا کے پانی پر ماریں۔ جس کے نتیجے میں دریا میں بارہ راستے بن گئے، اور ان راستوں کے ذریعہ موسیٰ علیہ السلام کا لشکر دریا کے اندر چلا گیا، اور جب فرعون دریا کے پاس پہنچا، اور اس نے دریا میں خشک راستے دیکھے تو وہ بھی دریا کے اندر چلا گیا، لیکن جب فرعون کا پورا لشکر دریا کے بیچ میں پہنچا تو وہ پانی مل گیا اور فرعون اور اس کا پورا لشکر غرق ہوگیا۔ یہ واقعہ عاشوراء کے دن پیش آیا۔ اس کے بارے میں ایک روایت موجود ہے، جو نسبۃً بہتر روایت ہے، لیکن اس کے علاوہ جو دوسرے واقعات ہیں ان کے عاشوراء کے دن میں ہونے پر کوئی اصل اور بنیاد نہیں۔

فضیلت کے اسباب کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اس تحقیق میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ کس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کو فضیلت بخشی؟ بلکہ یہ سب اللہ جل شانہ کے بنائے ہوئے ایام ہیں، وہ جس دن کو چاہتے ہیں۔ اپنی رحمتوں اور برکتوں کے نزول کیلئے منتخب فرمالیتے ہیں، وہی اس کی حکمت اور مصلحت کو جاننے والے ہیں۔ یہ بات ہمارے اور آپ کے ادراک سے ماوراء ہے، اس لئے اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔

البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس دن کو اپنی رحمت اور برکت کے نزول کیلئے منتخب کیا تو اس کا تقدس یہ ہے کہ اس دن کو اس کام میں استعمال کیا جائے جو کام نبی کریم ﷺ کی سنت کے مطابق ہو۔ سنت کے طور پر اس دن کیلئے صرف ایک حکم دیا گیا ہے کہ اس دن روزہ رکھا جائے۔ چنانچہ حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اس دن میں روزہ رکھنا گذشتہ ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہوجائے گا۔ بس یہ ایک حکم سنت ہے اس کی کوشش کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اس کی توفیق فرمائے۔ آمین۔

یہودیوں کی مشابہت سے بچیں

اس میں ایک مسئلہ اور بھی ہے، وہ یہ کہ حضور اقدس ﷺ کی حیات طیبہ میں جب بھی عاشوراء کا دن آتا، آپ روزہ رکھتے، لیکن وفات سے پہلے جو ''عاشوراء'' کا دن آیا، تو آپ نے عاشوراء کا روزہ رکھا، اور ساتھ ہی یہ بھی ارشاد فرمایا کہ دس محرم کو ہم بھی روزہ رکھتے ہیں اور یہودی بھی روزہ رکھتے ہیں اور یہودیوں کے روزہ رکھنے کی وجہ وہی تھی کہ اس دن بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ فرعون سے نجات دی تھی۔ اس کے شکرانے کے طور پر یہودی اس دن روزہ رکھتے تھے۔ بہرحال، حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہم بھی اس دن روزہ رکھتے ہیں، اور یہودی بھی اس دن روزہ رکھتے ہیں، جس کی وجہ سے ان کے ساتھ ہلکی سی مشابہت پیدا ہوجاتی ہے۔ اس لئے اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو صرف عاشوراء کا روزہ نہیں رکھوں گا، بلکہ اس کے ساتھ ایک روزہ اور ملاؤں گا، ۹ رمحرم یا ۱۱ رمحرم کا روزہ بھی رکھوں گا۔ تاکہ یہودیوں کے ساتھ مشابہت ختم ہوجائے۔

ایک کے بجائے دو روزے رکھیں

لیکن اگلے سال عاشورا کا دن آنے سے پہلے حضور اقدس ﷺ کا وصال ہوگیا، اور آپ کو اس پر عمل کرنے کا موقع نہیں ملا۔ لیکن چونکہ حضور اقدس ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمادی تھی اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے عاشوراء کے روزے میں اس بات کا اہتمام کیا، اور ۹ رمحرم یا ۱۱ رمحرم کا ایک روزہ اور ملا کر رکھا۔ اور اس کو مستحب قرار دیا، اور تنہاء عاشوراء کے روزہ رکھنے کو حضور

اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی روشنی میں مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ قرار دیا۔ یعنی اگر کوئی شخص صرف عاشوراء کا روزہ رکھ لے تو وہ گناہ گار نہیں ہوگا، بلکہ اس کو عاشوراء کا ثواب ملے گا۔ لیکن چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش دو روزے رکھنے کی تھی، اس لئے اس خواہش کی تکمیل میں بہتر ہے کہ ایک روزہ اور ملا کر دو روزے رکھے جائیں۔

عبادت میں بھی مشابہت نہ کریں

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں ہمیں ایک سبق اور ملتا ہے، وہ یہ کہ غیر مسلموں کے ساتھ ادنیٰ مشابہت بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند نہیں فرمائی، حالانکہ وہ مشابہت کسی بُرے اور ناجائز کام میں نہیں تھی۔ بلکہ ایک عبادت میں مشابہت تھی کہ اس دن جو عبادت وہ کررہے ہیں، اس دن ہم بھی وہی عبادت کررہے ہیں۔ لیکن آپ نے اس کو بھی پسند نہیں فرمایا۔ کیوں؟ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جو دین عطا فرمایا ہے، وہ سارے ادیان سے ممتاز ہے، اور ان پر فوقیت رکھتا ہے، ایک مسلمان کا ظاہر و باطن بھی غیر مسلم سے ممتاز ہونا چاہئے۔ اس کا طرز عمل، اس کی چال ڈھال، اس کی وضع قطع، اس کا سراپا، اس کے اعمال، اس کے اخلاق، اس کی عبادتیں وغیرہ ہر چیز غیر مسلموں سے ممتاز ہونی چاہئے۔ چنانچہ احادیث مبارکہ میں یہ حکم جابجا ملے گا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غیر مسلموں سے الگ طریقہ اختیار کرو، فرمایا:

خَالِفُوا الْمُشْرِكِيْنَ (صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب فی العمائم)

یعنی مشرکین جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں۔ ان سے اپنا ظاہر و باطن الگ رکھو۔

مشابہت اختیار کرنے والا انہی میں سے ہے

جب عبادت، بندگی اور نیکی کے کام میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلموں سے مشابہت پسند نہیں فرمائی تو اور کاموں میں اگر مسلمان ان کی مشابہت اختیار کریں تو یہ کتنی بری بات ہوگی۔ اگر یہ مشابہت جان بوجھ کر اس مقصد سے اختیار کی جائے، کہ میں ان جیسا نظر آؤں۔ تو یہ گناہ کبیرہ ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ

جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے، وہ اسی قوم کے اندر داخل ہے۔

مثلاً اگر کوئی شخص انگریزوں کا طریقہ اس لئے اختیار کرے تاکہ میں دیکھنے میں انگریز نظر آؤں

تو یہ گناہ کبیرہ ہے، لیکن اگر دل میں یہ نیت نہیں ہے کہ میں ان جیسا نظر آؤں، بلکہ ویسے ہی مشابہت اختیار کرلی تو یہ گناہ کبیرہ تو نہیں مگر مکروہ یہ بھی ہے۔

غیر مسلموں کی نقالی چھوڑ دیں

افسوس ہے کہ آج مسلمانوں کو اس حکم کا خیال اور پاس نہیں رہا۔ اپنے طریقہ کار میں، وضع قطع میں، لباس پوشاک میں، اٹھنے بیٹھنے کے انداز میں، کھانے پینے کے طریقوں میں، زندگی کے ہر کام میں ہم نے غیر مسلموں کے ساتھ مشابہت اختیار کرلی ہے۔ ان کی طرح کا لباس پہن رہے ہیں، ان کی زندگی کی طرح اپنی زندگی کا نظام بناتے ہیں۔ ان کی طرح کھاتے پیتے ہیں، ان کی طرح بیٹھتے ہیں، زندگی کے ہر کام میں ان کی نقالی کو ہم نے ایک فیشن بنالیا ہے۔ آپ اندازہ کریں کہ حضور اقدس ﷺ نے عاشوراء کے دن روزہ رکھنے میں یہودیوں کے ساتھ مشابہت کو پسند نہیں فرمایا۔ اس سے سبق ملتا ہے کہ ہم نے زندگی کے دوسرے شعبوں میں غیر مسلموں کی جو نقالی اختیار کررکھی ہے، خدا کیلئے اس کو چھوڑ دیں اور جناب رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے طریقوں کی نقالی کریں، ان لوگوں کی نقالی نہ کریں جو روزانہ تمہاری پٹائی کرتے ہیں، جنہوں نے تم پر ظلم اور استبداد کا شکنجہ کسا ہوا ہے، جو تمہیں انسانی حقوق دینے کو تیار نہیں، ان کی نقالی کرکے آخر تمہیں کیا حاصل ہوگا؟ ہاں دنیا میں بھی ذلت ہوگی اور آخرت میں بھی رسوائی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

عاشوراء کے روز دوسرے اعمال ثابت نہیں

بہرحال، اس مشابہت سے بچتے ہوئے عاشوراء کا روزہ رکھنا بڑی فضیلت کا کام ہے۔ عاشوراء کے روزہ رکھنے کا حکم تو برحق ہے، روزے کے علاوہ عاشوراء کے دن کے بارے میں لوگ دو اور اعمال اختیار کررہے ہیں، ان کی قرآن وسنت میں کوئی بنیاد نہیں۔ مثلاً بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ عاشوراء کے دن فلاں قسم کا کھانا پکنا ضروری ہے، اگر کھچڑا نہ پکایا تو عاشوراء کی فضیلت ہی حاصل نہیں ہوگی۔ اس قسم کی کوئی بات نہ تو حضور اقدس ﷺ نے بیان فرمائی اور نہ ہی صحابہ کرام، تابعین اور بزرگان دین نے اس پر عمل کیا، صدیوں تک اس عمل کا کہیں وجود نہیں ملتا۔

عاشوراء کے دن گھر والوں پر وسعت کرو

ہاں ایک ضعیف اور کمزور حدیث ہے، مضبوط حدیث نہیں ہے، اس حدیث میں حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ جو شخص عاشوراء کے دن اپنے گھر والوں اور ان لوگوں کو جو انسان کے عیال

میں داخل ہیں، مثلاً اس کے بیوی بچے، گھر کے ملازم وغیرہ، ان کو عام دنوں کے مقابلے میں عمدہ اور اچھا کھانا کھلائے۔ اور کھانے میں وسعت اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی روزی میں برکت عطا فرمائیں گے۔ یہ حدیث اگرچہ سند کے اعتبار سے مضبوط نہیں ہے لیکن اگر کوئی شخص اس پر عمل کرے تو کوئی مضائقہ نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ اس عمل پر جو فضیلت بیان کی گئی ہے، وہ انشاء اللہ حاصل ہوگی۔ لہٰذا اس دن گھر والوں پر کھانے میں وسعت کرنی چاہئے، اس سے زیادہ لوگوں نے جو چیزیں اپنی طرف سے گھڑلی ہیں، انکی کوئی اصل اور بنیاد نہیں۔

گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم مت کرو

قرآن کریم نے جہاں حرمت والے مہینوں کا ذکر فرمایا ہے، اس جگہ ایک عجیب جملہ یہ ارشاد فرمادیا کہ:۔

فَلَا تَظْلِمُوْا فِیْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ۔ (سورۃ التوبہ، آیت ۳۶)

یعنی ان حرمت والے مہینوں میں تم اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔

اور ظلم نہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ ان مہینوں میں گناہوں سے بچو، بدعات اور منکرات سے بچو۔ چونکہ اللہ تعالیٰ تو عالم الغیب ہیں، جانتے تھے کہ ان حرمت والے مہینوں میں لوگ اپنی جانوں پر ظلم کریں گے اور اپنی طرف سے عبادت کے طریقے گھڑ کر ان پر عمل کرنا شروع کریں گے، اس لئے فرمایا کہ اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔

دوسروں کی مجالس میں شرکت مت کرو

شیعہ حضرات اس مہینے میں جو کچھ کرتے ہیں، وہ اپنے مسلک کے مطابق کرتے ہیں، لیکن بہت سے اہل سنت حضرات بھی ایسی مجلسوں میں، تعزیوں میں اور ان کاموں میں شریک ہوجاتے ہیں جو بدعت اور منکر کی تعریف میں آجاتے ہیں۔ قرآن کریم نے تو صاف حکم دیدیا کہ ان مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کریں بلکہ ان اوقات کو اللہ کی عبادت میں اور اس کے ذکر میں اور اس کیلئے روزہ رکھنے میں اور اس کی طرف رجوع کرنے میں، اور اس سے دعائیں کرنے میں صرف کریں اور ان فضولیات سے اپنے آپ کو بچائیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس مہینے کی حرمت اور عاشوراء کی حرمت اور عظمت سے فائدہ اٹھانے کی ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔ اور اپنی رضا کے مطابق اس دن کو گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

مولانا محمود اشرف عثمانی

معارف السنّة النبوية

طالب علم کیا نیت رکھے؟

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد للّٰه رب العالمين والصلوة والسلام على سيدنا وشفيعنا ومولانا محمد وآله وصحبه أجمعين أما بعد:

حدیث شریف

عن كعب بن مالك رضى اللّٰه عنه قال قال رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِيُجَارِيَ بِهِ الْعُلَمَآءَ أَوْ لِيُمَارِيَ بِهِ السُّفَهَآءَ أَوْ يَصْرِفَ بِهِ وُجُوهَ النَّاسِ إِلَيْهِ، أَدْخَلَهُ اللهُ النَّارَ۔ رواه الترمذی (مشکوۃ۔مرقاۃ:۱/۲۷۸)۔

ترجمہ: جس شخص نے علم اس لئے تلاش کیا کہ وہ اس علم کے ذریعہ علماء کے ساتھ دوڑ لگائے یا اس کے ذریعہ بے وقوفوں سے مناظرہ کرے، یا اس کے ذریعہ لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرے، اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو جہنم میں داخل کرے گا (ترمذی شریف)۔

راوی:

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ معروف صحابیٔ رسول ہیں انصارِ مدینہ کے قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے، "السابقون الأولون" میں سے ہیں، ہجرت سے پہلے "عقبۂ ثانیہ" میں جن صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی اور آپ کو مدینہ منورہ تشریف لانے پر آمادہ کیا ان میں بھی شامل تھے، یہ شاعر تھے، ان کا شمار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شعراء میں ہوتا ہے، بدر کے علاوہ تمام غزوات میں آپ کے ہمراہ جہاد میں شامل رہے، غزوۂ تبوک میں یہ اور ان کے دو ساتھی حضرت مرارہؓ بن الربیع اور حضرت ہلالؓ بن امیہ سفر جہاد میں نہیں گئے تو ان تینوں پر عتاب ہوا جس کا ذکر قرآن حکیم میں ہے وعلى الثلاثة الذين خلفوا......الآية (توبہ:۱۱۸) ان تینوں حضرات کے ناموں کے ابتدائی حروف کا مجموعہ "مکہ" ہے، جس کے ذریعہ سے ان کے ناموں کو بآسانی یاد رکھا سکتا ہے، آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے، ۵۰ھ میں انتقال ہوا جبکہ ان کی عمر ستتر سال تھی۔ رضی الله عنه وأرضاه۔

روایت:

یہ حدیث مختلف الفاظ کے ساتھ متعدد کتب حدیث میں روایت کی گئی ہے لیکن سب الفاظ کا

مفہوم اور نتیجہ تقریباً ایک ہی ہے یہ حدیث مرفوع بھی روایت کی گئی ہے موقوف بھی اور مقطوع بھی۔ معروف صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سیدنا حضرت کعب بن مالک، حضرت ابو ہریرہ، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت معاذ بن جبل، حضرت انس بن مالک، حضرت حذیفہ بن الیمان اور حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وعنہم اجمعین نے اس حدیث کو ملتے جلتے الفاظ کے ساتھ جناب رسول اللہ ﷺ سے مرفوعاً روایت کیا ہے جبکہ سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کی روایت موقوفاً ہے۔

مشکل الفاظ:

(الف) لِيُجَارِيَ بِهِ الْعُلَمَاءَ: " يُجَارِيْ، جَرٰى يَجْرِيْ'' سے ''بَابِ مُفَاعَلَه'' کے مضارع کا صیغہ ہے ''جَرٰی'' کے معنی ہیں دوڑنا اور '' مُجَارَاۃ'' کا مطلب ہے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کے لیے دوڑ لگانا۔

(ب) أَوْ لِيُمَارِيَ بِهِ السُّفَهَاءَ: "سُفَهَاءِ" "سفيه" کی جمع ہے اور اس کا مطلب ہے بے وقوف جاہل اور ''مُمَارَاۃ'' کا لفظ ''مرآء'' یا ''مرية'' سے نکلا ہے جن کے معنی شک اور جھگڑے کے ہیں اور ''مُمَارَاۃ'' کا مطلب ہے ایک دوسرے سے بحث کرنا، ایک دوسرے کو شک میں ڈالنا، مناظرہ کرنا۔

(ج) أَوْ يَصْرِفَ بِهِ وُجُوهَ النَّاسِ: ''صرف الوجوه'' کا مطلب ہے چہروں کو اپنی طرف پھیرنا، لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنا۔

تشریح:

اس حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم دین حاصل کرنے والوں کو تین غلطیوں سے روکا ہے کہ وہ علم دین اس لئے حاصل نہ کریں کہ:

۱: میں بڑے بڑے علماء کے ساتھ ریس (Race) لگاؤں گا۔

۲: باطل فرقوں کے ساتھ مناظرے کروں گا۔

۳: عام لوگوں کی نگاہوں میں بلند مقام حاصل کروں گا۔

جب یہ تینوں نیتیں غلط ہوئیں تو اب سوال یہ ہے کہ پھر علم دین کا مقصد کیا ہونا چاہئے؟ اس سوال کا جواب اگرچہ اس حدیث میں نہیں دیا گیا لیکن قرآن مجید اور دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ علم دین کا اصل مقصد صرف دو چیزیں ہونی چاہئیں:

(۱) دین کو سمجھنا کہ مجھے دین کے احکام، اس کی حدود اچھی طرح سمجھ میں آجائیں تاکہ عمل کرنا

آسان ہو۔اور (۲) یہ کہ میرا پروردگار مجھ سے راضی ہوجائے۔قرآن مجید میں اس مقصد کو اس طرح تعبیر فرمایا گیا ہے:

لیتفقھوا فی الدین (سورۃ التوبۃ:۱۲۲)۔

تاکہ انہیں دین کی سمجھ حاصل ہوجائے۔

اور ایک حدیث شریف میں یہ مقصد ان الفاظ سے نقل کیا گیا ہے:

من تعلم علما مما یُبتغٰی به وجه اللّٰه۔۔۔۔۔ الحدیث

جس نے وہ علم سیکھا جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہوتی ہے

قرآن اور حدیث کے ان دوحوالوں سے معلوم ہوا کہ علم دین حاصل کرنے کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ مجھے دین کی سمجھ آجائے تاکہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوسکے۔

بلکہ کئی اکابر نے طالب علمی کے زمانہ میں اس مقصد کو بھی پسند نہیں کیا کہ میں یہ علم حاصل کرکے آگے لوگوں کو سکھاؤں گا، کیونکہ اس نیت میں مخلوق بھی بطور مقصد شامل ہوجاتی ہے، جو کامل اخلاص کے منافی ہے،علم دین تو صرف اور صرف اس لیے حاصل کرنا چاہئے کہ مجھے دین کی سمجھ آجائے اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوجائے باقی رہی لوگوں کو تبلیغ و تعلیم ،تصنیف وتالیف،تقریر وخطابت، وعظ ونصیحت کی خدمت تو یہ علم کا مقصود اصلی نہیں ہیں بلکہ علم دین حاصل ہوجانے کے بعد کے ثانوی احکام ہیں، جو علم دین حاصل کرنے کے بعد بوقت ضرورت اور بوقت حاجت عالم کے ذمہ آجاتے ہیں اور علم دین حاصل کرنے کے بعد وہ عالم محض اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے ان سب کاموں تعلیم وتبلیغ تصنیف وتالیف ،تقریر وخطابت اور وعظ ونصیحت کو اپنے اپنے وقت پر بجالاتا ہے واضح رہے کہ یہ سب کام اللہ تعالیٰ کی رضا کا ذریعہ بھی بن جاتے ہیں ،لیکن یہ طلب علم کے مقاصد میں سے نہیں ہیں بلکہ حصول علم کے بعد کی ذمہ داری اور اس کے نتائج وثمرات میں سے ہیں لہٰذا طالب علم کو علم دین حاصل کرتے وقت تو صرف یہ نیت کرنی چاہئے کہ مجھے دین سمجھ میں آجائے اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرسکوں۔

اب اس حدیث شریف میں طالب علموں کو تین غلط نیتوں سے روکا گیا ہے وہ یہ ہیں:

۱۔ یہ نیت رکھنا کہ میں بڑے بڑے علماء کے ہم پلہ ہوجاؤں گا، ان کے ساتھ برابری کروں گا اور علم میں ان سے آگے بڑھ کر کام کروں گا۔

۲۔ باطل فرقوں اور بے وقوف لوگوں کے ساتھ مناظرہ کروں گا اور ان کے ساتھ بحث ومباحثہ کرکے انہیں زیر کروں گا۔

۳۔ اس علم کے ذریعہ میں معاشرہ میں ایک مقام حاصل کروں گا اور مخلوق خدا اور عام مسلمانوں کی نگاہ اور توجہ کا مرکز بنوں گا۔

عجیب بات یہ ہے کہ یہ تینوں نیّتیں اگر اسی طرح کے عام الفاظ کے ساتھ بیان کی جائیں یا ان پر اخلاص کا ظاہری رنگ چڑھا دیا جائے تو پہلی نظر میں ان تینوں نیّتوں میں کوئی خرابی نظر نہیں آتی، لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ جس شخص میں ان تینوں نیتوں میں سے کوئی بھی نیت پائی جائے گی اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں داخل کرے گا۔

اور وجہ وہی ہے کہ ان تینوں نیّتوں میں اصل مقصود نہ خود دین کو سمجھنا ہے نہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا، بلکہ تینوں نیتوں میں مخلوق اور لوگ ہی علم دین کا مقصد ہیں (کہیں جلباً کہیں سلباً) اور طالب علم ساری محنت لوگوں کے لیے کررہا ہے۔ حالانکہ اسے ساری محنت اپنے آپ کو درست کرنے اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے کرنی چاہئے تھی۔ لوگوں کو اپنی نیت کا محور یا مقصود بنانا درست ہی نہ تھا۔ ان تینوں نیتوں کی علیحدہ علیحدہ تشریح درج ذیل ہے:

۱۔ لیجاری به العلماء

(تاکہ علماء کے ساتھ دوڑ لگائے)

اگر کوئی طالب علم، علمِ دین اس نیت سے حاصل کرے کہ میں یہ علم حاصل کرکے بڑے بڑے علماء کے ہم پلہ ہوجاؤں گا بلکہ ان سے آگے بڑھنے کی کوشش کروں گا، جس میدان میں وہ کام کررہے ہیں اس میدان میں ان سے آگے بڑھ جاؤں گا تو یہ سب نیّتیں علم دین کے اصل مقصد کے خلاف ہیں اور ایسے شخص کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہنم کی وعید سنائی ہے۔

واضح رہے کہ کسی بڑے عالم دین کی خدمات کی قدر کرنا یا اس کی اچھی باتوں کی پیروی کرنا کوئی بری بات نہیں بلکہ اچھی بات ہے لیکن علم دین کا مقصد اس کی ذات کو قرار دے کر دینی منصب میں اس کے ساتھ برابری کی خواہش کرنا یا دینی خدمات میں ان سے آگے بڑھنے کی خواہش کو علم دین کا مقصد

بنانا غلط ہے لہٰذا کسی عالم یا قابل قدر علماء سے ریس (Race) لگانا، ان کے ساتھ برابری کی نیت اور پھر ان سے آگے بڑھنے کی نیت رکھنے سے منع کیا گیا ہے۔

اس اجمال کی کچھ تفصیل یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جس انسان کو پیدا کیا ہے تنہا پیدا کیا ہے، وہ اپنی ذات کے اعتبار سے تنہا ہے اس کی ہر چیز حتی کہ اس کی شکل صورت اس کی انگلیوں کے پوروں کی لکیریں تک دوسرے تمام انسانوں سے مختلف ہوتی ہیں، اس کی خوبیاں، اس کی اچھائیاں، اس کی صفات، اس کے اخلاق، اس کی سمجھ بوجھ، اس کا علم وفہم، دوسرے تمام انسانوں سے مختلف ہوتا ہے، وہ اس کائنات میں اپنی صفات کے اعتبار سے تنہا آتا ہے، اور تنہا ہی آگے آخرت کی طرف چلا جاتا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ ہوں یا امام بخاریؒ، حافظ ابن حجرؒ ہوں یا کوئی بھی عالم آپ بالکل ان جیسے ہو ہی نہیں سکتے، ہم اور آپ یہ خواہش تو کرسکتے ہیں کہ ہم ان کے نقش قدم پر چلیں، ان جیسی صفات حسنہ ہمارے اندر بھی پیدا ہوں، ان جیسی دینی خدمات کی توفیق ہمیں نصیب ہو، لیکن کوئی شخص یہ چاہے کہ میں حافظ ابن حجر بن جاؤں تو یہ کیسے ممکن ہے؟ حافظ ابن حجرؒ تو دنیا میں ایک ہی تھے، وہ دوبارہ آپ کی شکل میں کیسے پیدا ہوسکتے ہیں؟ لہٰذا کسی طالب علم کا یہ تصور کرنا کہ میں بالکل فلاں عالم کی طرح ہوجاؤں بنیادی طور پر ہی غلط تصور ہے، کوئی شخص بعینہ دوسرے عالم کی طرح ہو ہی نہیں سکتا، ہاں آپ یہ دعا کرسکتے ہیں کہ مجھے بھی ان جیسی صفات حسنہ نصیب ہوں اور ان جیسی مقبول دینی خدمات کی توفیق مجھے بھی نصیب ہو۔

جب یہ بات ہے کہ ایک شخص کا بالکل دوسرے شخص کی طرح ہونا ممکن ہی نہیں تو یہ تمنا اور خواہش کرنا کہ میں فلاں بزرگ، فلاں عالم کی طرح ہوجاؤں بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ جاؤں کیسے درست ہوسکتا ہے، بلکہ اس نیت میں کہ فلاں عالم کے ہم پلہ اور اس کے برابر ہوجاؤں، برابری کا دعوی اور برابری کی خواہش ہے جو ایک طرح سے تکبر میں داخل ہے، اور پھر یہ خواہش کہ ان سے بھی آگے بڑھ جاؤں، تکبر، حرص اور حسد جیسے حرام گناہوں کو جنم دینے والی خواہش ہے، لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث شریف میں اس کی سخت مذمت ارشاد فرمائی کہ جو شخص علم دین اس مقصد سے حاصل کرے گا کہ میں علماء کے ساتھ ریس (Race) لگاؤں گا اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں داخل کرے گا۔

(جاری ہے)

مولانا محمد حنیف جالندھری

مدارس پر چھاپے......ایک سوچا سمجھا منصوبہ

حالیہ دنوں میں دینی مدارس پر چھاپوں کا ملک گیر سلسلہ شروع ہوا۔ اس سلسلے کا آغاز اسلام آباد کے مدارس پر چھاپوں سے ہوا اور بعد ازاں لاہور اور فیصل آباد سے ہوتا ہوا یہ سلسلہ کراچی کے مدارس تک پھیل گیا۔ اس آپریشن کے دوران بیسیوں مدارس پر چھاپے مارے گئے لیکن کہیں سے نہ تو اسلحہ برآمد ہوا اور نہ ہی کسی مشکوک شخص کی گرفتاری عمل میں آئی۔ پولیس نے اپنی ناکامی اور سبکی مٹانے کے لیے عجیب اوچھے ہتھکنڈوں سے کام لیا۔ آپ کراچی کے مدرسہ رحمانیہ بفرزون کی مثال لے لیجئے، اس ادارے میں قریبی تھانے کے پولیس اہلکار آئے انہوں نے پوچھا ''کیا آپ کے ہاں غیر ملکی طلباء زیر تعلیم ہیں''؟ ادارے کی انتظامیہ نے کہا ''جی ہاں! بالکل ہیں مگران کے پاس مکمل سفری اور قانونی دستاویزات، این او سی اور نادرا کارڈ موجود ہیں'' پولیس اہلکاروں نے کہا کہ ''بہت اچھی بات ہے، آپ مہربانی فرما کران طلباء کو ہمارے ساتھ بھیج دیں، ہم اپنے ہاں ان کے کوائف کا اندراج کرنا چاہتے ہیں'' مدرسہ انتظامیہ نے ان طلباء کو پولیس کے ہمراہ بھیج دیا لیکن پولیس نے ان کے کوائف کا اندراج کرنے کی بجائے میڈیا کے نمائندوں کو تھانے بلالیا اور ان معصوم، مظلوم اور مہمان طلباء کو دہشت گردوں کے روپ میں میڈیا کے سامنے پیش کردیا اور ان کی گرفتاری ڈال دی۔ ان طلباء کو اگلے دن جب عدالت میں پیش کیا گیا تو عدالت نے ان کے کاغذات کو تسلی بخش اور قابل قبول قرار دیتے ہوئے انہیں بری کردیا لیکن میڈیا کے ذریعے جو ڈھنڈورہ پیٹا جاچکا تھا اس کا ازالہ ممکن نہ تھا۔ اسی طرح کے اوچھے ہتھکنڈے دوسری جگہوں پر بھی بروئے کار لائے گئے۔

یہاں یہ بات یاد رہے کہ مدارس کی انتظامیہ اور تمام مدارس کے نمائندہ وفاقوں نے ہمیشہ قانون نافذ کرنے والے اداروں کے ساتھ تعاون بھی کیا اور اپنے اداروں کو کھلی کتاب کی مانند قرار دیا، یہ مدارس کبھی بھی نوگوایریا نہیں رہے کہ ان پر پورے لاؤ لشکر سمیت یلغار کی ضرورت پیش آئے لیکن عجیب بات یہ ہے کہ وقفے وقفے سے ان مدارس کو مشق ستم بنایا جاتا ہے اور معمول کی چیکنگ، کوائف وغیرہ کے حصول، خفیہ نگرانی کے مسلسل اور مربوط سلسلے کے ہوتے ہوئے سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں کچھ

عرصے بعد مدارس پر اس انداز سے چڑھائی کردی جاتی ہے جیسے اسرائیلی افواج غزہ یا بھارتی افواج کشمیر پر چڑھائی کیا کرتی ہیں۔ حالیہ دنوں میں مدارس کے خلاف جن حالات میں کریک ڈاؤن کیا گیا ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان چھاپوں کیلئے ڈوری کہیں اور سے ہلائی گئی تھی۔ کیری لوگر بل میں چونکہ مدارس کی مشکیں کسنے کی شرط بھی شامل تھی اس لیے اس بل کی وفاقی کابینہ سے منظوری ہوتے ہی مدارس کے خلاف کریک ڈاؤن شروع کردیا گیا اور عین اس موقع پر جب سینیٹر جان کیری اور جنرل پیٹریاس پاکستان کے دورے پر آئے ہوئے تھے مدارس پر چھاپے مارے گئے اور لاہور کے مدارس کو اس وقت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا جب بعض ''اہم مہمانوں'' کی لاہور آمد آمد تھی۔ مدارس کے ذمہ داران نے ایک بات بطور خاص نوٹ کی کہ چھاپے مارنے سے قبل پورے میڈیا کو باقاعدہ اطلاع کرکے ان کی حاضری کو یقینی بنایا جاتا تھا اور پھر اس چھاپہ مارمہم کا خوب ڈھنڈورہ پیٹا جاتا تھا۔ اس سے لگتا ہے کہ یہ آپریشن مدارس کے میڈیا ٹرائل اور ایک منظّم مہم کا حصہ تھا۔ ان چھاپوں کے بعد ایک اور بات یہ نوٹ کی گئی کہ بعض نجی چینلز کے بعض اینکر پرسنز نے مدارس کو آڑے ہاتھوں لیا اور بعض نام نہاد دانشوروں اور قلم کاروں نے مدارس کے خلاف مزید کارروائی کیلئے ہلہ شیری دی اور بتدریج مدارس کے خلاف ماحول بنایا جانے لگا۔ یہ سب کچھ ایک ہی سلسلے کی مختلف کڑیاں لگتی ہیں۔

ملک میں دہشت گردی کی حالیہ لہر کے تناظر میں مدارس پر چھاپے مار کر جہاں اس عسکریت پسندی اور دہشت گردی کے ڈانڈے مدارس سے ملانے کی کوشش کی گئی وہیں حکومتی اداروں نے اپنی ناکامی کو چھپانے کیلئے بھی مدارس کو ہی اپنا ہدف بنایا۔ ہمارے ہاں یہ عجیب ماحول بن گیا ہے کہ ملک میں دہشت گردی اور تخریب کاری کی وارداتیں کروانے والی اصل قوتوں کو بے نقاب کرنے کی بجائے ''مرے کو مارے شاہ مدار'' کے مصداق ہمارے قانون نافذ کرنے والے ادارے دینی مدارس پر چڑھ دوڑتے ہیں اور اپنے نمبر بنانے اور لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کرتے ہیں اور دوسری طرف اصل تخریب کاروں کو افغانی بھیس، جعلی نمبر پلیٹ، ناجائز اسلحہ سمیت گرفتار کرکے اپنے ''صوابدیدی اختیارات'' کی بنیاد اور ایک فون کال پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔

مدارس کے خلاف یہ کریک ڈاؤن ایک ایسے وقت کیا گیا جب وطن عزیز تاریخ کے انتہائی نازک ترین دور سے گزر رہا ہے۔ اس وقت ضرورت اس امر کی ہے کہ عوام کے گلے شکوے دور کیے جائیں اور مختلف ناراض طبقات کے خدشات کے ازالے کی فکر کی جائے جبکہ ہمارے ارباب اختیار الٹا نت نئے

محاذ کھول رہے ہیں اور مدارس کے لاکھوں طلباء، ہزاروں علماء اور مدارس کے ملک بھر میں پھیلے معاونین اور متعلقین میں تشویش واضطراب پیدا کر کے وطن عزیز کو مزید بدترین حالات اور بحرانوں سے دوچار کر رہے ہیں۔ موجودہ حالات میں مدارس کے خلاف چھاپے جہاں غلامانہ ذہنیت کی عکاسی کرتے ہیں وہیں بدترین ناعاقبت اندیشی کے زمرے میں بھی آتے ہیں۔ اس وقت اعلیٰ سرکاری حکام کو سوچنا چاہئے کہ کہیں کوئی ایسی خاص قسم کی لابی تو نہیں جو دانستہ طور پر حالات کو بگاڑنا چاہتی ہے اور حکومت اور دینی قوتوں کے مابین محاذ آرائی کیلئے راہ ہموار کر رہی ہے۔

مدارس پر حالیہ چھاپے مدارس کے خلاف امتیازی سلوک بھی ہے کیونکہ عصری ادارے جہاں سے آئے روز اسلحہ برآمد ہو رہا ہے، جہاں قتل وغارتگری اور طلباء کے مابین تصادم روز کا معمول بن گیا ہے ان کے خلاف کریک ڈاؤن کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی اور سارا نزلہ صرف مدارس پر گرایا جاتا ہے۔ اسی طرح نجی ہاسٹلز، ہوٹلوں اور دوسری جگہوں پر کریک ڈاؤن نہیں ہوتا صرف مدارس کے خلاف ہی کیوں ہوتا ہے؟

دینی مدارس جہاں سے ہر وقت قال اللہ وقال الرسول کی صدائیں گونجتی ہیں، جہاں ملک کے استحکام وسالمیت کے لیے قرآن کریم کا ختم، سورۂ یٰسین کی تلاوت اور آیت کریمہ کا ورد کیا جاتا ہے وہاں اس طرح چھاپے مار کر ان اداروں کا تقدس پامال کرنا نہایت افسوسناک ہے۔ بعض جگہوں سے یہ اطلاعات بھی موصول ہوئی ہیں کہ پولیس اہلکار جوتوں سمیت مسجدوں میں گھس گئے، بعض جگہوں پر بچیوں کے مدارس میں چادر اور چار دیواری کا تقدس بھی پامال کیا گیا۔ یہ کس قدر شرمناک بات ہے؟ پاکستان کے عوام یہ سمجھ رہے ہیں کہ دینی مدارس کو اس لیے نشانہ بنایا جا رہا ہے تاکہ وہ مراکز جو اسلام کی حفاظت کے قلعے ہیں ان میں نقب لگائی جائے اور جو ادارے لوگوں کے دین سے وابستگی اور حصولِ علم کا ذریعہ ہیں ان کو بدنام کر دیا جائے اس لیے اس قسم کے کریک ڈاؤن کا سلسلہ فی الفور بند ہونا چاہئے تاکہ عوامی تشویش واضطراب کا خاتمہ ہو سکے۔

میں نے ان چھاپوں کے بعد تقریباً ہر مدرسہ کی انتظامیہ اور مہتمم صاحبان سے رابطہ کیا، ان کی حوصلہ افزائی اور دلجوئی کی، اس دوران یہ بات بڑی شدت سے محسوس کی کہ اس قسم کی کارروائیوں سے ملک بھر میں بہت زیادہ اشتعال اور غم وغصہ پایا جاتا ہے۔ ان چھاپوں کے بعد راولپنڈی، اسلام آباد کے علماء کرام نے تمام اہم سرکاری شخصیات اور اعلیٰ حکام سے وفد کی صورت میں ملاقاتیں کیں، اسی طرح کراچی کے علماء نے گورنر سندھ سمیت دیگر لوگوں سے گفتگو کی اور خود میں نے

وزیر داخلہ عبد الرحمٰن ملک، سیکرٹری داخلہ، آئی جی پنجاب، ہوم سیکرٹری، چیف کمشنر اسلام آباد اور دیگر تمام اعلیٰ حکام سے رابطہ کیا۔ عجیب بات یہ ہے کہ ان لوگوں میں سے کوئی بھی مدارس کے خلاف ہونے والے کریک ڈاؤن کی ذمہ داری قبول کرنے کے لیے تیار نہیں بلکہ ہر ایک دوسرے پر ڈال رہا ہے اور زبانی طور پر مدارس کے خلاف کارروائی نہ کرنے کی یقین دہانی کروائی جاتی ہے لیکن عملاً پھر مدارس پر چڑھائی کر دی جاتی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ تعلیم و تعلم میں مصروف لوگوں کے غم و غصہ کو آخر کب تک کنٹرول کیا جاسکتا ہے، ہم یہ بھی سمجھنے سے قاصر ہیں کہ اس صورتحال کو کیا نام دیا جائے؟ اس کو قول فعل کا تضاد کہا جائے یا کسی تیسری قوت کی شرانگیزی اور فتنہ وفساد کی کارستانی؟ اس حرکت کو اسلام دشمنی سمجھا جائے یا استعماری قوتوں کی غلامی؟ ہم متعلقہ ذمہ داروں کو خبردار کرنا چاہتے ہیں کہ یہ بے رحمانہ سلوک زیادہ عرصہ تک برداشت نہیں ہو سکے گا۔

☆☆☆

زکوٰۃ ادا نہ کرنے کا عذاب

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:
جس آدمی کو اللہ نے دولت عطا فرمائی اس نے اسکی زکوٰۃ ادا نہ کی تو وہ دولت قیامت کے دن اُس آدمی کے سامنے ایسے زہریلے ناگ کی شکل میں آئیگی جس کی انتہائی زہریلے پن سے اس کے سر کے بال جھڑ گئے ہوں اور اسکی آنکھوں کے اوپر دو سفید نقطے ہوں (جس سانپ میں یہ دو باتیں پائی جائیں وہ انتہائی زہریلا سمجھا جاتا ہے) پھر وہ سانپ (اس زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے بخیل) کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا (یعنی اس کے گلے میں لپٹ جائے گا) پھر اسکی دونوں باچھیں پکڑے گا (اور کاٹے گا) اور کہے گا کہ میں تیری دولت ہوں میں تیرا خزانہ ہوں

یہ فرمانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:-

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

سورۃ آل عمران ع ۱۹
پ ۴

اور نہ گمان کریں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں۔ اُس مال و دولت میں جو اللہ نے اپنے فضل و کرم سے انکو دی ہے (اور اسکی زکوٰۃ نہیں نکالتے) کہ وہ مال و دولت ان کے حق میں بہتر ہے بلکہ انجام کے لحاظ سے وہ اُن کیلئے بدتر ہے اور شر ہے۔ قیامت کے دن انکے گلوں میں طوق بنا کر ڈالی جائیگی وہ دولت جسمیں انہوں نے بخل کیا۔ (اور جس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی) (صحیح بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ مالِ زکوٰۃ جب دوسرے مال میں مخلوط ہوگا تو ضرور اس کو تباہ کر دے گا۔

سورۃ کا تعین

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض نمازوں میں کچھ مصالح اور فوائد کے پیش نظر بعض خاص سورتیں پڑھنا پسند فرمائیں لیکن قطعی طور پر نہ انکا تعین کیا اور نہ دوسروں کو تاکید فرمائی کہ وہ ایسا ہی کریں۔ پس اس بارے میں اگر کوئی آپ کا اتباع کرے (اور ان نمازوں میں وہی سورتیں اکثر و بیشتر پڑھے) تو اچھا ہے اور جو ایسا نہ کرے تو اس کے لئے بھی کوئی مضائقہ نہیں اور حرج نہیں ہے) (معارف الحدیث)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ اور عیدین کے علاوہ دوسری تمام نمازوں میں سورت معین کر کے نہیں پڑھا کرتے تھے فرض نمازوں میں چھوٹی بڑی سورتوں میں کوئی ایسی سورت نہیں ہے جو آپ نے نہ پڑھی ہو۔

اور نوافل میں ایک ایک رکعت میں دو سورتیں بھی آپ پڑھ لیتے تھے لیکن فرض میں نہیں۔ معمولاً آپ کی پہلی رکعت دوسری رکعت سے بڑی ہوا کرتی تھی۔ قرأت ختم کرنے کے بعد ذرا دم لیتے پھر تکبیر کہتے اور رکوع میں چلے جاتے۔

(زاد المعاد)

محمد حسان اشرف عثمانی

آپ کا سوال

قارئین سے درخواست ہے کہ صرف ایسے علمی، ادبی اور معاشرتی سوالات ارسال کئے جائیں جو عام دلچسپی رکھتے ہوں اور جن کا ہماری زندگی سے تعلق ہو، مشہور اور اختلافی مسائل سے پرہیز کیجئے۔ (ادارہ)

سوال:۔ ایک عاقلہ بالغہ مسلمہ عورت کا نکاح عیسائی کے ساتھ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر انجانے میں کرلیا تو عیسائی مرد سے طلاق لئے بغیر عدت کے اندر مسلم مردوں سے نکاح کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟ امید ہے کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر مزید گناہ کرنے سے نجات دلائیں گے۔ (مسمات سلمیٰ۔ کراچی)

جواب:۔ مسلمان عورت کا نکاح عیسائی مرد سے شرعاً ناجائز اور حرام ہے، اگر لاعلمی سے نکاح کرلیا تو بھی یہ نکاح شرعاً منعقد ہی نہیں ہوا۔ عورت پر لازم ہے کہ فوراً اس مرد سے الگ ہوجائے اور اب تک جو عیسائی مرد کے ساتھ میاں بیوی کی طرح رہی ہے اس کی وجہ سے سخت گناہ گار ہوئی ہے، اس پر لازم ہے کہ اپنے اس فعل پر صدق دل سے توبہ و استغفار کرے۔ اگر یہ عورت حاملہ نہیں ہے اور کسی مسلمان مرد کے ساتھ نکاح کرنا چاہتی ہے تو ایک ماہواری گزار کر نکاح کرسکتی ہے۔ عیسائی مرد سے طلاق لینے کی ضرورت نہیں اور اس عورت پر عدت بھی لازم نہیں ہے۔

سوال:۔ جن بری اور بحری جانوری کی حلت اور حرمت کے بارے میں فقہاء کرام کے درمیان اختلاف ہے مثلاً ایک جانور حنفیہ کے ہاں حرام یا مکروہ تحریمی ہے اور مالکیہ یا شافعیہ کے ہاں بلا کراہت حلال ہے آیا جن کے ہاں حرام یا مکروہ ہے ان کے نزدیک اس کی بیع بھی حرام یا مکروہ ہے یا نہیں؟ اگر ان جانوروں کی بیع بھی ان کے نزدیک حرام یا مکروہ ہے تو بین الاقوامی تجارت میں جہاں عاقدین مختلف المذاہب ہیں وہاں کونسی صورت اختیار کی جائے؟ (شاہد رحمانی۔ بنگلہ دیش)

جواب:۔ جن بری یا بحری جانوروں کا کھانا احناف کے نزدیک حرام یا مکروہ تحریمی ہے اور

دوسرے ائمہ کے نزدیک ان کا کھانا حلال ہے ان کی فروخت کے بارے میں یہ تفصیل ہے کہ کسی چیز کے بیع کے جائز ہونے کے لئے اس چیز کا حلال ہونا ضروری نہیں بلکہ اس چیز کا قابل انتفاع ہونا کافی ہے لہٰذا خنزیر کے سوا تمام جانوروں کا زندہ حالت میں فروخت کرنا جائز ہے بشرطیکہ وہ جانور قابل انتفاع ہو یعنی اس سے کوئی نہ کوئی جائز فائدہ (مثلاً علاج معالجہ، دواسازی یا مباح اشیاء کی تیاری) میں اسے استعمال کیا جاسکتا ہو تو ایسے جانور کی خرید وفروخت جائز ہے، اور اس سے حاصل ہونے والی آمدنی بھی حلال ہے، چاہے بیچنے والے کے نزدیک اس کا کھانا حلال ہو یا نہ ہو اور جس جانور کی خرید وفروخت جائز ہے اس کے بیچنے کی صورت میں اگر فروخت کرنے والے کا ارادہ اسی جائز ضرورت کیلئے فروخت کرنے کا ہو لیکن خریدار اس کو ناجائز فائدہ مثلاً کھانے کے لئے استعمال کرتا ہے تو یہ اس کا اپنا فعل ہے جس کا وہ خود ذمہ دار ہے۔

البتہ اگر کسی شخص کے بارے میں یقین یا ظنِ غالب ہو کہ وہ اس کو کھانے کیلئے استعمال کرے گا اگرچہ اس کے مذہب میں اس کا کھانا حلال ہو تو حنفی کو ایسے شخص کے پاس وہ جانور بیچنے سے احتیاط کرنی چاہئے۔

سوال:۔ اگر کسی مدرسہ میں رہائشی طلبہ نہ ہوں تو اس کو قربانی کے جانور کی کھال دے سکتے ہیں یا نہیں؟ (سیف اللہ ریداد۔ لانڈھی)

جواب:۔ جس مدرسہ میں مستحق زکوٰۃ طلبہ موجود نہ ہوں اس مدرسہ کو قربانی کی کھال دینے میں یہ تفصیل ہے کہ:

(الف) اگر بعینہ قربانی کی کھال مدرسہ کو دینا مقصود نہ ہو بلکہ قربانی کی کھال اس نیت سے دی جائے کہ مدرسہ کی انتظامیہ اس کھال کو فروخت کرکے مدرسہ کی ضروریات میں خرچ کرے تو یہ صورت جائز نہیں کیونکہ اس صورت میں مدرسہ کی انتظامیہ معطین (کھال عطیہ کرنے والوں) کی طرف سے وکیل بن کر اس کھال کو فروخت کرے گی اور اس سے حاصل ہونے والی رقم معطین کی طرف سے مدرسہ پر خرچ کرے گی، خود معطین کیلئے قربانی کی کھال کی رقم براہ راست مدرسہ پر خرچ کرنا جائز نہیں اسی طرح مدرسہ کی انتظامیہ بھی معطین کی وکیل بن کر قربانی کی کھال کی رقم براہ راست مدرسہ پر صرف نہیں کرسکتی۔

(ب) بعینہ قربانی کی کھال ہی مدرسہ کو دینا مقصود ہو اور دینے والا ہدیہ یا صدقہ کی لفظی صراحت کے ساتھ کھال مدرسہ کی ملکیت میں دیدے اس صورت میں مدرسہ کی انتظامیہ کے اس کھال پر قبضہ کر لینے سے یہ کھال مدرسہ کی ملکیت میں آجائے گی پھر اس کے استعمال کی تین صورتیں ہیں (۱) قربانی کی کھال سے کوئی ڈول یا مصلیٰ یا دسترخوان وغیرہ مدرسہ کیلئے بنا کر استعمال کیا جائے یہ بلاشبہ جائز ہے۔ (۲) اس کھال کے عوض میں دائمی استعمال کی اشیاء مثلاً دریاں، قالین، پنکھے وغیرہ لے کر استعمال کی جائیں اس کی بھی گنجائش ہے (۳) مدرسہ کی ملکیت میں آنے کے بعد قربانی کی کھال کو رقم کے عوض بیچ کر مدرسہ کے مصارف میں خرچ کیا جائے قواعد کی رو سے اس کی بھی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

واضح رہے کہ یہ تفصیل اس صورت میں ہے جب کہ قربانی کی کھال مدرسہ کو عطیہ کی جائے۔ کھال فروخت کر کے اس کی رقم کسی مستحق کو مالک بنا کر دینا ضروری ہے اور اگر مدرسہ مستحقین زکوٰۃ کو یہ رقم دے تو اسے بھی دی جاسکتی ہے۔

سوال:۔ کھالوں کے پیسوں کو اساتذہ کرام کی تنخواہوں میں استعمال کر سکتے ہیں؟ جبکہ مدرسہ میں صرف محلے کے بچے پڑھتے ہوں وہاں رہائشی طلبہ نہ ہوں۔ (ایضاً)

جواب:۔ قربانی کی کھال کی رقم کسی مستحق کو صدقہ کرنا لازم ہے اسے اساتذہ کی تنخواہوں میں براہِ راست خرچ کرنا جائز نہیں تاہم اگر کوئی استاذ مستحق ہو تو اس کو یہ رقم دی جاسکتی ہے بشرطیکہ یہ رقم بطور حق الخدمت کے نہ دی جائے۔

سوال:۔ جمعیت تعلیم القرآن عالمگیر مسجد بہادر آباد والے کھالیں جمع کرتے ہیں اور مکاتبِ قرآنیہ پر خرچ کرتے ہیں ان کو کھالیں دینا کیسا ہے؟ (ایضاً)

جواب:۔ اگر مذکورہ ادارہ میں قربانی کی کھالیں مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق صحیح مصارف میں خرچ کرنے کا مناسب بندوبست ہو تو اس ادارہ کو قربانی کی کھالیں دی جاسکتی ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

☆☆☆

مولانا محمد حنیف خالد

جامعہ دارالعلوم کراچی کے شب وروز

اصلاحی مجلس

۲۳رذیقعدہ ۱۴۳۰ھ (۱۲رنومبر ۲۰۰۹ء) جمعرات کے روز دوپہر بارہ بجے حضرت رئیس الجامعہ دامت برکاتہم کے دفتر میں جامعہ دارالعلوم کراچی کے تمام تعلیمی شعبہ جات کے اساتذۂ کرام اس سال کی پہلی اصلاحی مجلس میں شریک ہوئے جس میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم نے پڑھ کر سنائے اور حسب ضرورت رئیس الجامعہ حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے ان کی تشریح فرمائی، حفظ حدود سے متعلق ملفوظ پر حضرت رئیس الجامعہ مدظلہم نے فرمایا کہ آجکل دین کا کام الحمدللہ مختلف صورتوں میں بہت ہورہا ہے، ان میں بعض اوقات کوئی خرابی نظر آتی ہے تو وہ حدودِ شریعہ کا خیال نہ رکھنے کی وجہ سے نظر آتی ہے، اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کی رعایت دین کے ہر شعبے میں بہت ضروری ہے اور یہ دیکھنا ضروری ہے کہ شرعاً کس وقت کس کام کی اہمیت زیادہ ہے شرعاً جس کام کی اہمیت زیادہ ہو اسی پر عمل کرنا ضروری ہے حق تعالیٰ ہمیں اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

مجلس کے آخر میں حضرت والا دامت برکاتہم نے جامعہ دارالعلوم کراچی کے نظم وافتاء سے متعلق چند اہم فیصلوں سے بھی اساتذۂ کرام کو مطلع فرمایا، ایک فیصلہ تو یہ سنایا کہ حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی مدظلہم کو دارالعلوم کی مجلس منتظمہ کا رکن نامزد کیا گیا ہے دوسرا یہ کہ حضرت مولانا مفتی محمود اشرف صاحب عثمانی مدظلہم کو جامعہ دارالعلوم کراچی کے ''مفتی'' کا منصب دیا گیا ہے۔ اس سے پہلے جامعہ میں صرف دو ہی حضرات مفتی کے عہدے پر فائز تھے ایک حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم دوسرے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم، بانی جامعہ دارالعلوم کراچی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ کی وفات کے بعد سے اب تک صرف یہی دو حضرات ہی جامعہ کے ''مفتی'' کے منصب پر فائز چلے آرہے تھے باقی حضرات نائب مفتی کے طور پر کام کررہے تھے، حضرت مولانا محمود اشرف صاحب مدظلہم کی افتاء کے حوالے سے

طویل خدمت اور عمدہ کارکردگی کے پیش نظر اب انہیں بھی ''مفتی'' کا منصب دیدیا گیا ہے۔

حضرت مولانا محمد راحت علی ہاشمی صاحب مدظلہم کے بارے میں فرمایا کہ ان کے بارے میں یہ اعلان پہلے ہی کیا جاچکا ہے کہ یہ اب قائم مقام ناظم تعلیمات نہیں بلکہ باقاعدہ ناظم تعلیمات ہیں، حضرت مولانا رشید اشرف صاحب مدظلہم کا نام لے کر حضرت رئیس الجامعہ مدظلہم نے فرمایا کہ یہ بھی دارالعلوم کی طرف سے بہت اہم ذمہ داریاں سرانجام دیتے ہیں۔ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی نصابی کمیٹی کے ناظم ہیں اور وفاق کی امتحانی کمیٹی کے رکن بھی ہیں اور ماشاء اللہ بڑی تندہی کے ساتھ وفاق کے کاموں کو بحسن وخوبی سرانجام دیتے ہیں۔ حضرت رئیس الجامعہ دامت برکاتہم کے ان اعلانات پر حاضرین نے بہت خوشی محسوس کی اور دعاء کی کہ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو یہ مناصب مبارک فرمائے اور انہیں دارالعلوم کی مزید بہتر سے بہتر انداز میں خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔

آمد ضیوف

۱۸رذی الحجہ ۱۴۳۰ھ مطابق ۶ر دسمبر ۲۰۰۹ء اتوار کے روز جامعہ دارالعلوم کراچی میں ملک کے وزیر داخلہ جناب عبدالرحمٰن ملک صاحب اور گورنر سندھ جناب ڈاکٹر عشرت العباد صاحب، رئیس الجامعہ حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم اور نائب صدر جامعہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم سے دعاء اور دینی رہنمائی لینے کیلئے جامعہ میں تشریف لائے۔ اور مختلف امور پر گفتگو ہوئی، جبکہ اسی دن شام کو ناظم کراچی جناب سید مصطفیٰ کمال صاحب بھی تشریف لائے انہوں نے حضرت رئیس الجامعہ مدظلہم اور حضرت نائب صدر صاحب مدظلہم سے تبادلۂ خیال کیا۔ ان مہمانان گرامی نے جامعہ کو دیکھ کر اپنے خوشگوار تاثرات کا اظہار کیا۔

بیرونی سفر

۱۵رذیقعدہ ۱۴۳۰ھ (۴رنومبر ۲۰۰۹ء): دارالعلوم کراچی کے نائب رئیس الجامعہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کراچی سے یورپ کے سفر پر روانہ ہوئے جہاں آپ نے ایک ہفتے کے دوران جرمنی، فرانس، چیک ری پبلک اور اٹلی کا دورہ کیا۔ اس دورے میں آرکیپٹا کے مختلف تجارتی اداروں کے معائنے اور ان کی رہنمائی کے علاوہ وہاں کے مسلمانوں سے ملاقات کی اور ان سے خطاب کیا۔ اور ۲۴رذیقعدہ کو واپسی ہوئی۔

یکم ذی الحجہ ۱۴۳۰ھ (۱۹ رنومبر ۲۰۰۹ء): نائب رئیس الجامعہ دارالعلوم کراچی آج بحرین تشریف لے گئے جہاں آپ نے ۱۹ رنومبر کو آرکیپٹا کے شریعہ بورڈ کے اجلاس میں شرکت کی اور علالت کی وجہ سے دبئی کا پروگرام منسوخ کر کے ۲ رذوالحجہ کی صبح واپس آ گئے۔ جسکے بعد بفضلہٖ تعالیٰ روبصحت ہیں۔

دعائے صحت

جامعہ دارالعلوم کراچی کے بزرگ استاد جناب قاری عبدالملک صاحب حفظہ اللہ کا بائی پاس آپریشن بفضلہٖ تعالیٰ کامیاب رہا، پہلے سے بہتر ہیں مزید صحت کیلئے دعا کی درخواست ہے۔

جامعہ کے بعض دیگر اساتذہ وکارکنان بھی علالت کا شکار ہوگئے اور روبصحت ہیں ان سب کیلئے صحت کامل وعاجل کیلئے دعا کی درخواست ہے۔

دعائے مغفرت

۲۴، ۲۵ رذیقعدہ ۱۴۳۰ھ (۱۳، ۱۴ رنومبر ۲۰۰۹ء) جمعہ و ہفتہ کی درمیانی شب کو جامعہ دارالعلوم کراچی میں عصری مضامین کے قدیم استاذ جناب ماسٹر مرزا عبدالرشید صاحب طویل علالت کے بعد وفات پاگئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ مرحوم کی وفات پر دارالعلوم کے اساتذہ وطلبہ نے بہت دکھ محسوس کیا اور متعدد اساتذہ وطلبہ نے جنازے میں شرکت کی، نماز جنازہ جامعہ دارالعلوم کراچی کے استاذ الحدیث وناظم تعلیمات حضرت مولانا راحت علی ہاشمی صاحب مدظلہم نے پڑھائی۔

جامعہ دارالعلوم کراچی کے فاضل قراءات عشرہ جناب قاری حبیب الرحمٰن صاحب بھی اسی شوال میں گاڑی کے ایک حادثے میں شہید ہوگئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

شیخ الحدیث وناظم جامعہ دارالعلوم کراچی حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ محترمہ بقرعید کے دوسرے روز یعنی اتوار کو اللہ کو پیاری ہوگئیں، اس روز عشاء کے بعد دارالعلوم میں ان کی نماز جنازہ رئیس الجامعہ حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم کی اقتداء میں ادا کی گئی اور دارالعلوم کے قدیم قبرستان میں حضرت مولانا سحبان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں تدفین ہوئی۔

جامعہ دارالعلوم کراچی کے استاذ مولانا محمد سلیم صاحب کے خسر جناب مولانا فضل حق صاحب ۲۲ رذی الحجہ ۱۴۳۰ھ کی شب میں انتقال کر گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اللہ تعالیٰ ان تمام مرحومین کی کامل مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر واجر سے نوازیں۔ قارئین سے بھی دعاء مغفرت کی درخواست ہے۔

☆☆☆

نقد و تبصرہ

تبصرے کے لئے ہر کتاب کے دو نسخے ارسال فرمائیے

نام کتاب......... عکس جمیل (حضرت مولانا مفتی محمد جمیل خان شہیدؒ کے حالات زندگی)
نام مؤلف .... مفتی خالد محمود
باہتمام ونگرانی........ مولانا عبدالقیوم حقانی
ضخامت .... ۱۸۸ صفحات، مناسب طباعت، قیمت: درج نہیں۔
ناشر.............. القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ برانچ پوسٹ آفس، خالق آباد نوشہرہ (سرحد)

مفتی محمد جمیل خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ قابلِ رشک خوبیوں کے مالک تھے۔ خدمت خلق کے جذبے سے سرشار تھے۔ آخر دم تک علماءِ کرام اور صلحاء عظام کی خدمت کا حق ادا کرتے رہے۔ اس کیلئے وہ محنت شاقہ برداشت کرنے سے بھی نہیں گھبراتے تھے۔ حج عمرے کی لازوال سعادت حاصل کرنے کا خاص ذوق رکھتے تھے، تعلیم قرآن کے مکاتب قائم کرنے کے بعد ان کی نگرانی اور ان کے بہتر نظم ونسق کیلئے ہمہ وقت کوشاں رہنا ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ علمی اور ادبی کاموں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ دینی وعلمی حلقوں میں ان کی مظلومانہ شہادت کا غم شدت سے محسوس کیا گیا۔ زیرِ نظر کتاب مولانا شہید کے حالات زندگی پر مشتمل ہے اس کا مطالعہ انشاء اللہ علم وعمل میں اضافے کا باعث ہوگا۔ (ابومعاذ)

نام کتاب .... فوائد مکیہ
مصنف .... حضرت قاری عبدالرحمٰن مکی رحمۃ اللہ علیہ
مع شرح .... فوائد عزیزیہ
افادات......... حضرت قاری عبدالعزیز شوقی رحمۃ اللہ علیہ
مرتب .... قاری حبیب الرحمٰن
ضخامت .... ۷۷ صفحات، مناسب طباعت، قیمت: درج نہیں۔
ناشر.............. قاری محمد طاہر، رئیس الجامعۃ الحبیب قرأت القرآن اکیڈمی چکلالہ روڈ راولپنڈی

فوائد مکیہ فن تجوید میں ایک اہم کتاب ہے مگر اس کی عبارت کا اسلوب فنی اور دقیق ہے طلبہ اس کو

سمجھنے میں مشکل محسوس کرتے ہیں۔ زیرنظر شرح ''فوائد عزیزیہ'' میں اس کی فنی باتیں آسان انداز میں تحریر کی گئی ہیں جس کی وجہ سے اصل کتاب کو سمجھنا آسان ہوگیا ہے۔..................(ابومعاذ)

نام کتاب.......... اسلامیات (اول) عربی تلفظ کی درست ادائیگی کیلئے سی ڈیز اور کیسٹس کی معاونت کے ساتھ

تالیف.......... محمد اویس سرور

ضخامت.......... ۳۶ صفحات، خوبصورت رنگین سرورق، عمدہ طباعت، قیمت درج نہیں

ناشر.......... اسلامک چلڈرن بکس پاکستان

ملنے کا پتہ.......... ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور۔

اسلامک چلڈرن بکس (آئی سی بی) نے یہ کتاب کلاس اول کے بچوں کیلئے شائع کی ہے اس میں دین کی بنیادی باتیں آسان انداز میں بیان کی گئی ہیں اور آخر میں مستند حوالہ جات بھی درج کئے گئے ہیں۔ چھوٹے بچوں کی تعلیم وتربیت کیلئے اس کتاب کو شامل نصاب کر لینا مفید ہوگا۔..........(ابومعاذ)

نام کتاب.......... ماہنامہ تعمیر افکار کراچی کا سیرت نمبر

مدیر اعلیٰ.......... ڈاکٹر حافظ حقانی میاں قادری

مدیر.......... سید عزیز الرحمٰن

ضخامت.......... ۶۳۹ صفحات، عمدہ طباعت، قیمت۔/۳۲۰ روپے

تقسیم کنندگان ...... فضلی بک سپر مارکیٹ اردو بازار کراچی۔

• سید الأولین والآخرین، خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ کی سیرت طیبہ پر لکھنا اور اس مبارک موضوع پر کسی بھی حوالے سے کوئی بھی کام کرنا بہت بڑی سعادت ہے۔ اسی لئے ہر دور اور ہر زبان میں اس شیریں موضوع پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ اور آنحضرت ﷺ کی ہر ادا کو مختلف پیرایوں میں بیان کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی ہے۔

ماہنامہ ''تعمیر افکار کراچی'' کی یہ ضخیم اشاعت بھی اردو میں حضور نبی کریم ﷺ کی پاکیزہ اور معطر سیرت کے متعدد خوشگوار پہلوؤں کو اُجاگر کرنے کیلئے تیار کی گئی ہے۔ اس میں اہل علم اور اہل قلم حضرات کے تیس سے زیادہ تحقیقی مقالہ جات عمدہ ترتیب کے ساتھ پیش کئے گئے ہیں۔ جامعیت پیدا کرنے کیلئے نئے اور طبع شدہ دونوں طرح کے مضامین شامل کر لئے گئے ہیں۔ جبکہ طبع شدہ مضامین میں مناسب ترمیم کی گئی ہے۔ سیرت النبی ﷺ پر یہ ایک قابل قدر مجموعہ تیار ہوگیا ہے۔ حق تعالیٰ اس سعی جمیل کو قبول فرمائے اور محبت رسول سے سرشار مسلمانوں کو اس کا مطالعہ کرنے اور سیرت رسول ﷺ کے رنگارنگ گلدستے سے آنکھیں ٹھنڈی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔..................(ابومعاذ)

چار عظیم فائدے

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص سو (۱۰۰) مرتبہ

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ

پڑھے (تو یہ کلمات) اس کے لیے فقر و فاقہ سے حفاظت کا ذریعہ اور قبر کی وحشت وتنہائی میں اُنسیت کا باعث ہوں گے اور ان کلمات (کی برکت) سے پڑھنے والا غِناء (ظاہری و باطنی) حاصل کرلے گا اور (قیامت کے دن) ان کلمات کی برکت سے وہ جنت کے دروازے پر دستک دے گا۔

تشریح:۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ:

یہ کلمات روزانہ سو بار پڑھنے والے کو چار بڑے بڑے فائدے حاصل ہوں گے ان میں سے ہر فائدہ ایسا ہے جس کا ہر شخص محتاج ہے لہٰذا ہر شخص کو ہر روز اس کی ایک تسبیح پڑھ لینی چاہئے وہ فوائد یہ ہیں:۔

۱)...... فقر و فاقہ اور معاشی تنگی دور ہونا۔

۲)...... قبر کی وحشت دور ہو کر راحت واُنسیت حاصل ہونا۔

۳)...... غِناء ظاہری و باطنی نصیب ہونا۔

۴)...... جنت کے دروزے پر دستک دینے اور جنت میں داخل ہونیکی سعادت ملنا۔

ماخوذ از رسالہ

"عمل مختصر اور ثواب زیادہ" ص:۱۱

(مؤلفہ: حضرت مولانا مفتی عبدالروف صاحب سکھروی مدظلہم)